امیر حمزہ میدانِ جنگ میں

امیر حمزہ میدانِ جنگ میں

داستان امیر حمزہ

حصّہ چہارم

مقبول جہانگیر

بختک کی شرارت

عُمرو عیّار نے جب امیر حمزہ کو یہ خبر دی کہ شہزادی مِہر نگار زندہ سلامت ہے تو وُہ بے حد خوش ہوئے۔ عُمرو کو گلے سے لگایا اور دس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ اِس کے بعد دوستوں سے مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ عُمرو نے کہا۔

”آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں ان بدمعاشوں کی وُہ دُرگت بناؤں گا کہ آئندہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ سب لوگ کالے رنگ کے ماتمی کپڑے پہن کر شور مدائن کے اندر چلیں اور اپنی شکلیں ایسی بنالیں کہ جو دیکھے یہ سمجھے کہ اِنہیں شہزادی کے مرنے کا بڑا رنج ہے۔ جب جنازہ آئے گا تب میں آپ کو تماشا دکھاؤں گا۔“

سب نے عُمرو عیّار کی اس تدبیر کر پسند کیا۔

امیر حمزہ، لِندھور، بہرام، سُلطان بخت مغربی، عادی پہلوان اور مقبل وفادار نے کالے کپڑے پہنے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے، مدائن میں داخل ہُوئے۔ دیکھا کہ شہر میں کُہرام مچا ہُوا ہے۔ دُکانیں اور بازار بند ہیں اور لاکھوں مرد، عورتیں، بچّے، بُوڑھے سڑکوں نے دونوں جانِب جنازے کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ ہر طرف سے رونے دھونے کی اور بَین کرنے کی آوازیں آرہی ہیں۔

امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی نوشیرواں کے محل میں پہنچے تو وہاں بھی یہی حال تھا۔ بادشاہ اور درباریوں نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور آنکھوں پر رُومال تھے۔ نوشیرواں نے امیر حمزہ کو چھاتی سے لگایا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”صبر کرو۔۔۔ قُدرت کو یہی منظور تھا کہ شہزادی مِہر نگاہ اس دنیا سے رُخصت ہو۔ ہم تمہاری شادی کِسی اور شہزادی سے کر دیں گے۔“

امیر حمزہ گردن جھکائے بیٹھے رہے لیکن دِل ہی دِل میں بادشاہ کی اِس اداکاری پر ہنستے تھے۔ تھوڑی دیر بعد نوشیرواں نے محل میں حکم بھیجا کہ شہزادی کا جنازہ باہر لایا جائے۔

ملکہ کے پاس بادشاہ کا یہ حکم پہنچا تو اُس نے مصنوعی جنازہ بھجوانے کی تیّاریاں شروع کیں اور بختک کی ماں سقر غار کو تلاش کرنے لگی۔ مگر اُس کا کہیں پتا نہ ملا۔ آخر ایک لونڈی نے سقر غار کی لاش باغ کے اندر پتّوں کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی دیکھی اور ملکہ کو اطلاع دی۔ سقر غار کی لاش دیکھ کر ملکہ کے حواس گم ہو گئے۔ دِل میں کہنے لگی یہ تو بہت بُرا ہُوا۔ اس بُڑھیا کو کِس نے مارا۔ ضرور اِس میں کوئی بھید ہے۔ یکایک ایک تدبیر اُس کے ذہن میں آئی۔ شہزادی مِہر نگار کی فرضی لاش کے لیے جو تابُوت بنایا گیا تھا، ملکہ نے اُس کے اندر سقر غار کی لاش کو بند کیا اور اس طرح مِہر نگار کا جنازہ محل سے باہر آیا۔ پھر ملکہ نے بختک کو بُلا کر اُس سے کہا۔

”تیری ماں سقر غار کو کِسی دشمن نے مار ڈالا ہے اور ہم نے اُسی کی لاش اِس

تابُوت میں بند کر دی ہے۔"

یہ سُن کر بختک کے دِل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت سوائے عُمرو عیّار کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اگر کسی نے تابُوت کھول کر دیکھا اور اُس میں شہزادی مِہر نگار کے بجائے سقر غار کی لاش پڑی پائی تو شہر میں غدر مچ جائے گا۔ اب ایسی ترکیب کروں کہ کوئی شخص تابُوت کھولنے نہ پائے۔

اس نے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو حکم دیا کہ تابُوت کی حفاظت کریں اور کِسی غیر شخص کو قریب نہ آنے دیں۔ بختک کے آدمی ننگی تلواروں کی حفاظت میں تابُوت کو بڑے بازار میں لے گئے اور بختک خُود سب سے آگے ماتم کرتا ہُوا چلا۔

اُدھر عُمرو نے جنازہ آتے دیکھا تو جھٹ ایک سپاہی کا بھیس بدلا اور بارود کی بنی ہولی چھچھوندریں ایک بڑی سی ٹوکری میں چھُپا کر بختک کے آدمیوں میں گھُل مِل گیا۔ وُہ دھکّم پیل کرتا ہُوا بختک کے قریب جا پہنچا اور چُپکے سے ایک

چھچھوندر جلا کر اس کے گریبان میں ڈال دی۔ بختک رونا پیٹنا بھول گیا۔ وُہ آگ بُجھانے کے لیے بے تحاشا ایک حوض کی طرف دوڑا اور پانی میں کُود گیا۔ اب عُمرو نے جلدی جلدی کئی چھچھوندریں چھوڑیں۔ بختک کے سپاہی اپنے کپڑوں کو آگ سے بچانے کے لیے تِتّر بِتّر ہو گئے اور انہوں نے تابُوت بھی زمین پر پٹخ دیا۔ عُمرو نے آگے بڑھ کر تابُوت کا ڈھکنا کھولا اور لوگوں نے دیکھا کہ اُس میں شہزادی مِہر نگار کے بجائے بختک کی ماں سقر غار کی لاش بند ہے۔ نوشیرواں اس لاش کو دیکھ کر ایسا بدحواس ہُوا کہ اُس کے رُومال میں سے پیاز کی ایک گٹھّی نِکل کر زمین پر گر پڑی۔ اُس نے یہ گٹھّی رومال میں چھُپا رکھّی تھی۔ جب وُہ رومال آنکھوں کے قریب لے جاتا تو اُن میں سے پانی بہنے لگتا۔ لوگ سمجھتے کہ بادشاہ رو رہا ہے۔ اُسے روتا دیکھ کر دوسرے بھی رونے لگتے۔

عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بادشاہ سلامت یہ باتیں آپ کی شان کے خلاف ہیں۔"

نوشیر واں نے شرم سے گردن جھکالی اور کہنے لگا۔

”یہ سب اِس بدمعاش بختک کی شرارت ہے۔“

عمرو عیّار کچھ اور کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ امیر حمزہ نے اُسے ڈانٹا۔ ”خبر دار، بادشاہوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرتے۔“

بادشاہ نے تابُوت اُٹھا کر بختک کے گھر بھیج دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ نوشیر واں نے امیر حمزہ کو خلعت عطا کی اور محل میں جا کر شہزادی مہر نگار کو گلے سے لگایا۔ عُمرو نے شہر میں منادی کرادی کہ شہزادی زندہ سلامت ہے۔ بختک کی ماں سقرغار مر گئی ہے۔ جو لوگ رونا پیٹنا چاہیں وُہ بختک کے مکان پر جائیں۔

اس واقعے کے کئی دِن بعد امیر حمزہ نے نوشیر واں کی خدمت میں عمرو عیّار کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ”اب شادی میں کیا دیر ہے؟“ عُمرو نے جب بادشاہ کو یہ پیغام دیا تو وُہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا۔

”حمزہ سے کہو کہ چالیس دن بعد شادی کریں گے۔ ابھی ہمیں سامان تیار کرنا ہے۔“

یہ سُن کر عُمرو ہنسا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

”عالی جاہ! آپ سات سلطنتوں کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔ آپ کے خزانے میں کِس چیز کی کمی ہے؟“

نوشیرواں نے بزُرجمہر سے مشورہ کیا اور بزُرجمہر نے ایک رقعہ امیر حمزہ کے نام لکھا کہ تیس دن بعد تمہاری شادی شہزادی مِہر نگار سے کر دی جائے گی۔

امیر حمزہ یہ رقعہ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور ایک ایک دن بے چینی سے گننے لگے۔

اُدھر بختک نامراد نے جب یہ خبر سُنی کہ بادشاہ ایک مہینے بعد شہزادی مِہر نگاہ کی شادی امیر حمزہ سے کر دے گا تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر نوشیرواں کے محل میں گیا اور کہنے لگا۔

”حضُور، اگر شہزادی کی شادی امیر حمزہ سے ہو گئی تو آپ ساری دنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ ہر مُلک کا بادشاہ کہے گا کہ نوشیر واں نے ایک معمولی عرب سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اِس سے آپ کی دھاک ختم ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ رعایا بھی بغاوت کر دے۔“

غرض بختک نے ایسی باتیں کیں کہ نوشیر واں ڈر گیا۔ دِل میں کہا کہ بختک واقعی سچ کہتا ہے۔ امیر حمزہ کی شادی کِسی طرح بھی مِہر نگار سے نہ ہونی چاہیے۔ اِس میں میری بدنامی ہے۔ لیکن اب تو شادی کا وعدہ کر چکا تھا۔ اور وعدے سے پھِر جانا بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔ اُس نے بختک سے کہا۔

”تُم ہی کوئی تدبیر سوچو۔ میں تو امیر حمزہ کو زبان دے چُکا ہوں۔“

”حضُور، تدبیر میں نے سوچ لی ہے۔ آج سے تین دِن بعد آپ دربارِ عام لگانے کا حکم دیں اور اُس میں امیر حمزہ کو بھی بلائیں۔ میں اپنے چند آدمیوں کو سِکھا پڑھا کر بھیجوں گا۔ وُہ انصاف کی زنجیر بہلائیں گے۔ آپ اُن کو دربار میں

بُلا کر پوچھیے گا کہ تُم کون ہو اور کِس نے تُم پر ظلم کیا ہے؟ وُہ کہیں گے کہ ہم سلطنت ہفت ملک سے آئے ہیں۔ وہاں کے بادشاہوں نے یہ خبر سُن کر کہ نوشیر واں ایک معمولی عرب کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہے، آئندہ خراج ادا کرنا بند کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اب ہم نوشیر واں کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اگر نوشیر واں ہم سے خراج لینا چاہتا ہے تو اپنے داماد حمزہ کو ہم سے جنگ کرنے بھیجے۔ اگر حمزہ جیت گیا تا ہم ہمیشہ کے لیے نوشیر واں کے غلام بن جائیں گے۔ مُجھے یقین ہے کہ حمزہ کا خُون یہ باتیں سُن کر کھول اُٹھے گا اور وُہ اِن باغی بادشاہوں سے جنگ کرنے کے لیے جائے گا۔ قارون امیر حمزہ کا جانی دشمن ہے۔ میں اُسے زہر کی شیشی دوں گا اور کہوں گا کہ موقع ملتے ہی امیر حمزہ کو پِلا دے۔ یہ زہر ایسا خطرناک ہے کہ اگر سو مَن دُودھ میں اس کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے تو دُودھ کا رنگ سیاہ پڑ جائے۔ اس کے علاوہ آپ ہفت مُلک کے بادشاہوں کے نام خط لکھ کر بھی قارون کو دیجیے گا۔ خط میں یہ مضمون ہو کہ موقع پاتے ہی حمزہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔“

نوشیر واں یہ سُن کر بڑا خوش ہُوا۔ بختک کی پیٹھ ٹھونکی اور وعدہ کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔

تیسرے دن بادشاہ نے ایک عام دربار لگایا۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں کو خاص طور پر بُلایا گیا اور اُن کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شربت کا ایک پیالہ بھر کے امیر حمزہ کو دیا اور وُہ اسے پینا ہی چاہتے تھے کہ زنجیرِ عدل کے ساتھ بندھی ہوئی گھنٹیاں زور زور سے بجنے لگیں۔ نوشیر واں نے کہا۔

”فریادیوں کو فوراً ہمارے حضُور میں حاضر کیا جائے۔“

چوب داروں نے پانچ آدمیوں کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ اُن کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ سروں پر خاک پڑی ہوئی تھی اور ہاتھ پیروں پہ زخموں کے نشان تھے۔ نوشیر واں کے سامنے یہ لوگ سجدے میں گر گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بادشاہ نے کہا۔

”تُم لوگ کون ہو اور تمہاری یہ حالت کِس نے بنائی؟ ہم اُسے ایسی سزا دیں گے کہ اس کی سات پُشتیں یاد رکھیں گی۔“

ان لوگوں نے کہا کہ ہم حضُور کے حکم سے ہفت مُلک گئے تھے اور وہاں کے بادشاہوں سے خراج مانگا تھا مگر اُنہوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ بہت ذلیل ہے۔ وُہ اپنی شہزادی کی شادی ایک معمولی عرب سے کر رہا ہے۔ ایسے ذلیل بادشاہ کی اطاعت کرنے کے لینے ہم تیّار نہیں ہیں۔ نِکل جاؤ یہاں سے۔

نوشیر واں تخت سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے کھڑے ہوتے ہی تمام حاضرین بھی اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ بادشاہ نے گرج کر کہا ”فوجوں کو تیّاری کا حکم دیا جائے۔ ہم خود ہفت ملک کے بادشاہوں کو سزا دینے کے لیے جائیں گے۔“

امیر حمزہ نے شربت کا پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور ادب سے بولے۔

”عالی جاہ! جب تک آپ کا یہ خادم زندہ ہے، آپ کو خود کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ مجُھے حکم دیجئے کہ لشکر لے کر جاؤں اور باغیوں کو سزا دُوں۔“

نوشیرواں نے امیر حمزہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

”نہیں۔ بار بار تمھیں لڑائی کے لیے بھیجتے ہُوئے ہمیں شرم آتی ہے۔ تُم اپنی شادی کا انتظام کرو، ہم جنگ کرنے جاتے ہیں۔“

”جہاں پناہ، یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ میری جان آپ پر قربان۔ مَیں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک ہفت مُلک کے بادشاہوں کو خوفناک سزا نہ دے لُوں گا، شادی نہ کروں گا۔ اور اگر میں لڑائی میں کام آ گیا تو حضُور کو اختیار ہے کہ شہزادی کی شادی جس سے بھی چاہے کر دیں۔“

نوشیرواں سر جھُکا کر غور کرنے لگا۔ پھر بزُرجمہر سے پوچھا۔ ”آپ کیا کرتے ہیں؟ امیر حمزہ کو لڑائی پر بھیج دیا جائے؟“

”جی ہاں، یہی بہتر ہے۔“ بزُرجمہر نے جواب دیا۔ ”مگر یہ مناسب ہو گا کہ وُہ اپنے کِسی دوست کو مدائن میں چھوڑے جائیں تا کہ شہزادی کو دشمن کِسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں۔“

”میری بھی یہی خواہش ہے۔“ امیر حمزہ نے خوش ہو کر کہا ”اگر جہاں پناہ اجازت دیں تو میں اپنے عزیز دوست بہرام کو مدائن میں چھوڑے جاتا ہوں۔“

بزُرجمہر کی تجویز سے نوشیرواں گھبرا گیا۔ چور نظروں سے بختک کی جانب دیکھا۔ اُس نے اشارہ کیا کہ اِس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیجئے۔ مگر بادشاہ اِنکار نہ کر سکا اور یہ تجویز مان لی کہ امیر حمزہ کی غیر حاضری میں بہرام، شہزادی مِہر نگار کے محل کی حفاظت کرے گا اور بہرام کی اجازت کے بغیر کوئی غیر شخص محل میں قدم نہ رکھ سکے گا۔

اب نوشیرواں نے اپنے ایک فوجی سردار قارن کو طلب کیا۔ یہ چھ فُٹ لمبا، موٹا تازہ سیاہ فام حبشی تھا۔ اپنے سوا دنیا میں کِسی اور کو نہ بہادر سمجھتا تھا اور نہ

پہلوان جانتا تھا۔ حبشی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا خوب صورت سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے امیر حمزہ سے کہا۔

"یہ ہمارا فوجی سردار قارن ہے۔ یہ بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جائے گا۔"

امیر حمزہ نے غور سے قارن کی طرف دیکھا اور کہا۔

"مجھے یہ شخص مکّار اور دغاباز نظر آتا ہے ایسا نہ ہو کہ راستے میں دھوکا کرے۔"

"تمہیں پورا اختیار ہے کہ ایسی صورت میں جو سزا چاہو اسے دینا۔" نوشیر واں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مَیں اِس کی دو خطائیں معاف کر دوں گا۔ لیکن تیسری خطا معاف نہ کروں گا۔"

"مجھے منظور ہے جناب۔" قارن نے کہا۔ "اگر آپ فرمائیں تو میں لکھ کر دیتے

کو تیار ہوں۔"

"ہاں، لکھ دو۔" عُمرو نے کہا اور قارن نے اُسی وقت ہرن کی کھال پر یہ عبارت لکھ کر امیر حمزہ کے حوالے کر دی کر میری تیسری خطا معافی کے قابل نہ ہو گی۔

اِس قول اقرار کے بعد امیر حمزہ دوستوں کے ساتھ اپنے لشکر میں آئے، سفر کی تیّاریاں شروع کیں اور چین کے بادشاہ بہرام کو مدائن شہر میں شہزادی مِہر نگاہ کی حفاظت کے لیے چھوڑا۔ اتنے میں عُمرو عیّار ایک عرضی لے کر امیر حمزہ کے پاس آیا۔ اُس میں لکھا تھا۔

"بھائی حمزہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ میں پھر فتور آ گیا ہے۔ کیا تُم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ یہ سب شرارت اُسی بدبخت بختک کی ہے۔ اِس مرتبہ اُس نے ایسی چال چلی ہے کہ تمہارا دوبارہ مدائن میں آنا دشوار ہے اور اگر تُم آ بھی گئے تو اتنی دیر میں شہزادی مِہر نگار بُڑھیا ہو جائے گی۔ ہفت ملک کا سفر اور وہاں کے بادشاہوں سے لڑائیاں ایک آدھ دن میں ختم نہ ہوں گی۔ نہ

جانے کتنے برس لگ جائیں۔ یہ خُدا ہی کو معلوم ہے کہ کون جیے اور کون مرے۔ اس لیے اِس خادم کو اجازت ہو کہ اپنے گھر مکّے چلا جائے اور بقیہ وقت اللہ اللہ کرنے میں گزار دے۔"

امیر حمزہ یہ عرضی پڑھ کر خوب ہنسے اور عُمرو کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وُہ کِسی طرح ساتھ جانے کے لیے تیّار نہ ہُوا۔ آخر تنگ آ کر امیر نے اُسے مکّے جانے کی اجازت دے دی۔ عُمرو نے اپنا سامان باندھا اور سب سے گلے مِل کر رخصت ہُوا۔

مَوت کا کمرہ

امیر حمزہ اپنے لشکر کو لے کر ہفت مُلک کی جانب روانہ ہوئے۔ قارن بھی بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اُن کے لشکر میں شامل تھا۔ آٹھویں دن یہ لشکر ایک ایسے ریگستان میں پہنچا جہاں آدم تھا نہ آدم زاد۔ نہ سایہ نہ پانی۔ زمین پہ ہر طرف ریت ہی ریت اور آسمان پر چمکتا ہُوا سورج۔

امیر حمزہ نے قارن سے پوچھا۔ ”کیا ہمیں اِس ریگستان میں سے گزرنا پڑے گا؟“

”یہ تو آپ کی مرضی پر ہے۔“ قارن نے جواب دیا۔ ”آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں سے دو راستے ہفت مُلک کی جانب جاتے ہیں۔ ایک راستہ بیس روز کا اور

دوسرا تین روز کا ہے۔ دوسرے راستے پر چلیں تو ہم تین دن بعد ہفت ملک کے پہلے شہر میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن مُشکل یہ ہے کہ اِس راستے میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ مِلے گا۔"

"پانی کا ذخیرہ تو ہمارے پاس کافی ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اس لیے بیس دِن کیوں ضائع کیے جائیں۔ بہتر یہی ہے کہ تین روز والے راستے پر چلیں۔"

لشکر اسی راہ پر چلنے لگا۔ ریگستان ایسا اُجاڑ تھا کہ دِل دہلتا تھا۔ قارن کا کہنا صحیح نکلا۔ واقعی اس راہ میں پانی کہیں بھی نہ ملا۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو اُمّید تھی کہ چوتھے دن ہفت ملک کے پہلے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن چوتھا دن بھی گزر گیا اور یہ ہیبت ناک ریگستان ختم نہ ہُوا۔ لشکر والوں نے اِس اُمّید پر کہ چوتھے روز پانی مِل جائے گا، دِل کھول کر پانی پیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور اب کسی کی چھاگل میں ایک قطرہ پانی بھی نہ تھا۔ آسمان سے سورج آگ برسا رہا تھا۔ ہر شَے تپ کر تانبے کی مانند سُرخ ہو گئی تھی۔ سواروں اور اُن کے گھوڑوں کی پیاس کے مارے بُری حالت تھی۔ تالو

چیخ رہے تھے اور ہونٹ خشک تھے۔

امیر حمزہ نے قارن سے کہا۔ ”تُو تو کہتا تھا کہ تین دن بعد ہفت مُلک کے پہلے شہر میں پہنچ جائیں گے مگر آج چوتھا دِن ہے اور صحرا ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لشکر میں پانی کی ایک بُوند بھی باقی نہیں رہی۔ اب بتا کیا کِیا جائے؟“

قارن نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔ ”جنابِ عالی، بندے کی اِس میں کیا خطا ہے۔ بارہ برس پہلے جب میں اِس راستے سے گیا تھا تو تین دن بعد ہی ہفت ملک میں پہنچ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مُدّت میں راستے کی شکل بدل گئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں پانی کی تلاش میں جاؤں۔“

”جاؤ۔۔۔ لیکن جلدی آنا۔“

قارن دِل میں خوش ہوتا ہُوا اپنے جوانوں کے پاس آیا۔ انہوں نے اپنے پینے کے لیے پانچ دِن کا پانی چھُپا رکھا تھا اور وُہ چُپکے چُپکے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ قارن نے اُن سے کہا۔ ”گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنے کے لیے تیّار رہو مَیں جا کر

حمزہ کو زہر دیتا ہوں۔ جوں ہی تمھیں خبر مِلے کہ حمزہ کا کام تمام ہُوا، اُسی وقت اُس کے لشکر پر ہلّا بول دینا۔ حمزہ کے سپاہی پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ اُن میں لڑنے کی بالکل سکت نہیں۔ وُہ تمہارا حملہ سہ نہ سکیں گے۔"

وُہ اپنے لشکر کو خوب سیکھا پڑھا کے امیر حمزہ کے پاس واپس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی جس میں اُس نے زہر ملا دیا تھا۔

"پانی کہیں سے مِلا۔" امیر حمزہ نے پوچھا۔

"جناب، اِس علاقے میں پانی دُور دُور تک نہیں ہے۔ ایک دِن اور سفر کیجیے۔ مُجھے یقین ہے کہ اگلے پڑاؤ پر پانی ضرور مِل جائے گا۔ پانی کے ایک دو گھونٹ میری چھاگل میں بچ رہے ہیں، اجازت ہو تو حاضر کروں؟"

یہ کہتے ہی اُس نے پیالے میں پانی بھرا اور امیر حمزہ کو پیش کر دیا۔ پیاس کے مارے امیر کی حالت بڑی خراب تھی۔ بے اختیار پیالہ ہاتھ میں پکڑ لیا مگر ہونٹوں سے لگانا چاہتے تھے کہ ایک خیال آیا۔ دِل میں کہنے لگے یہ اچھا معلوم

نہیں ہوتا کہ میں تو اپنی پیاس بجھالوں اور میرے دوست پیاسے رہیں۔ یہ سوچ کر پیالہ لِندھور کی طرف بڑھایااور کہا۔

"بھائی لِندھور، یہ پانی تُم پیو۔ میں تو صحرا ہی کا باشندہ ہُوں۔ پیاس برداشت کر سکتاہوں۔ مُجھ سے زیادہ تُم کو پیاس لگ رہی ہو گی۔"

لِندھور بولا۔ "میں نے تو صبح ہی پیا تھا۔ لیکن ہمارا دوست عادی پہلوان کل سے پیاسا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے پیالہ عادی کی طرف بڑھادیا۔

عادی پہلوان ادھ مُوا ہو رہا تھا کہ وُہ پیالہ ہاتھ میں پکڑ کر ہنسا اور کہنے لگا۔

"بھائی لِندھور، تمہاری اِس مہربانی کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن ذرا میرا ڈیل ڈول دیکھو اور یہ ننّھا مُنّا سا پیالہ دیکھو جس میں مشکل سے ایک چھٹانک پانی ہو گا۔ اِس سے میری پیاس کیا بُجھے گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے پیالہ سلطان بخت مغربی کی طرف بڑھا دیا۔ اُس نے مقبل وفادار کو تھما دیا۔ مقبل نے جی میں کہا کہ مَیں اگر پانی پی لُوں تو لوگ کہیں گے

کہ امیر حمزہ تو پیاسے رہے اور اِس غلام نے پانی پی لیا۔ یہ تو ہمیشہ کی بدنامی ہے۔ یہ سوچ کر پیالہ امیر حمزہ کے پاس لے گیا اور بولا۔

"بھائی حمزہ، یہ آپ ہی کا حق ہے۔ آپ یہ پانی پی لیجیے۔ ہم غلاموں اور جاں نثاروں کی پیاس اِسی خوشی سے بُجھ جائے گی کہ آپ کا حلق تر ہو گیا۔"

اپنے ساتھیوں کی اِس محبت کو دیکھ کے امیر حمزہ رونے لگے اور پیالے ہونٹوں سے لگا لیا۔

عُمرو عیّار پوری رفتار سے مکّے کی جانب دوڑا چلا جاتا تھا کہ ایک جگہ ایک شخص کو درخت کے نیچے کھڑا دیکھا۔ اُس نے سر سے پیر تک سبز رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اور آنکھوں پر نقاب تھی۔ عُمرو حیران ہُوا۔ قریب جا کر کہنے لگا۔ "بڑے میاں، تُم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اے عُمرو، اتنی جلد مجھے بھول گیا؟ میرا نام خضر ہے۔ ابھی ابھی قارن حبشی نے امیر حمزہ کو زہر مِلا پانی دیا ہے اور وُہ پیالہ اپنے ہونٹوں سے لگائے ہوئے

ہیں۔ دیر نہ کر۔ فوراً وہاں پہنچ اور پیالہ اُن کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دے۔ لیکن یہیں سے آواز لگاتا جا کہ پانی نہ پینا۔۔۔ پانی نہ پینا۔ ہَوا تیری آواز کو حمزہ کے کانوں تک پہنچائے گی۔"

اس کے بعد حضرت خضر نے عُمرو کو ایک چشمے کا پتا بتایا اور غائب ہو گئے۔ عمرو عیّار نے اپنا سامان وہیں پٹخا اور "پانی نہ پینا۔۔۔ پانی نہ پینا" کی آواز حلق کے پورے زور سے لگاتا ہُوا دوبارہ اُسی راستے پر دوڑنے لگا جس راستے سے آیا تھا۔

اُدھر امیر حمزہ گھونٹ بھرنے ہی والے تھے کہ ایک آواز کان میں آئی۔

"پانی نہ پینا۔۔۔ پانی نہ پینا۔"

انہوں نے حیران ہو کر ہاتھ روک لیا اور اُفق کی جانب دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہی آواز سُنائی دی اور اس مرتبہ لندھور، عادی، سلطان بخت مغربی اور مقبل وفادار نے بھی سُنی۔ وُہ دِل میں کہنے لگے یاالٰہی یہ کیا بھید ہے۔ آواز تو عُمرو عیّار کی معلوم ہوتی ہے مگر وُہ یہاں کہاں۔ وُہ تو مکّے میں بیٹھا آرام کر رہا ہو

گا۔ اچانک دُھول کا ایک بادل صحرا میں اُٹھا اور قریب آنے لگا۔ عُمرو کی آواز اُسی بادل میں سے آ رہی تھی۔ قارن کہنے لگا۔

"جناب، آپ اس آواز کی طرف توجّہ نہ دیں اور پانی پی لیں۔ صحراؤں میں جن بھُوت رہتے ہیں اور وُہ ایسی آوازیں پیدا کر کے لوگوں کو ڈرایا کرتے ہیں۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے پیالہ دوبارہ لبوں تک لگایا ہی تھا کہ پھر وہی آواز آئی۔

"پانی نہ پینا۔ پانی نہ پینا۔"

امیر حمزہ نے ہاتھ روک لیا۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ گرد کے بادل میں سے عُمرو دوڑا آتا ہے، اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر چلّا رہا ہے۔ "پانی نہ پینا۔ اے حمزہ، پانی نہ پینا۔" پھر آناً فاناً اس نے نزدیک آ کر وُہ پیالہ چھینا اور زمین پر پھینک دیا۔ پانی جوں ہی ریت پر گرا، زمین پھَٹ گئی۔ اور اُس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ پانی کا ایک قطرہ امیر حمزہ کے موزے کے کپڑے میں سے گزرتا ہُوا پاؤں پر آیا اور

تلوے میں سے ہو کر نِکل گیا۔ تب سب کو معلوم ہُوا کہ پیالے میں پانی نہیں، زہرِ قاتل تھا۔

قارن حبشی نے بھانڈا پھوٹتے دیکھا تو جھٹ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بھاگا۔ اُس کے لشکریوں نے اس کو یوں آتے دیکھا تو سمجھے کہ امیر حمزہ کا کام تمام ہُوا۔ سوچے سمجھے بغیر اُنہوں نے تلواریں نیزے، بھالے اور کُلہاڑیاں اُٹھائیں اور امیر حمزہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ قارن اُنہیں روکتا ہی رہا۔ مگر اُس کی چیخ پُکار کسی کے کانوں تک نہ پہنچی۔

اِدھر لِندھور نے اپنا فولادی گرز سنبھالا، مقبل وفادار نے تیر چلانے شروع کیے۔ سلطان بخت مغربی نے تلوار کے جوہر دکھائے اور عادی پہلوان غصّے سے کانپتا ہُوا مست ہاتھی کی طرح دُشمن کی طرف جھپٹا۔ جو شخص بھی اُس کے ہاتھ آجاتا زندہ نہ بچتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان بہادروں نے کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے اور قارن کے بارہ ہزار سپاہیوں میں سے دس ہزار کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ عُمرو

قارن کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ لیکن اُس کا کہیں پتا نہ تھا۔ دراصل قارن کے کچھ ساتھی پہلے ہی اُسے لے کر نِکل بھاگے تھے۔

عُمرو اب سب لوگوں کو چشمے پر لایا جس کا پتا حضرت خضر نے بتایا تھا۔ یہاں ہر ایک نے جی بھر کے پانی پیا اور اپنی اپنی مشکوں اور چھاگلوں میں پانی بھر لیا۔ اُس کے بعد خُدا کا نام لے کر آگے چل پڑے اور پانچ دِن تک صحرا میں سفر کرتے رہے۔ آخر چھٹے روز ایک چھوٹی سی بستی کے آثار دکھائی دیے۔ سب کی جان میں جان آئی۔ اس بستی کا سردار امیر حمزہ کے استقبال کو آیا۔ اُس کی زبانی معلوم ہُوا کہ چند روز پہلے ایک حبشی پہلوان اپنے دس بارہ ساتھیوں کے ہمراہ یہاں آیا تھا اور لوٹ مار کر کے چلا گیا۔ امیر حمزہ سمجھ گئے کہ وُہ قارن ہی ہو گا۔

بستی کے سردار نے یہ بھی بتایا کہ ہفت ملک کا پہلا شہر وہاں سے ۸۰۰ کوس دُور ہے لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ راہ میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے بے شمار چشمے ملیں گے۔

امیر حمزہ نے خوش ہو کہ سردار کو انعام اکرام دیا تو وُہ راہ بتانے کے لیے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔ امیر نے اُسے ساتھ لے لیا۔ دو روز بعد اُس لشکر نے صحرا میں قیام کیا۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا جس کا پانی حوض میں جمع ہو رہا تھا۔ لشکر میں چند پالتو کتّے بھی تھے۔ وُہ دوڑے ہوئے گئے اور پانی میں مُنہ ڈال دیا مگر پانی پیتے ہی اُن کے جسم خُشک پتّے کی طرح تھر تھر کانپے اور پھر سرد پڑ گئے۔

سپاہیوں نے کتّوں کے مرنے کی خبر امیر حمزہ تک پہنچائی۔ وُہ خود حوض پر آئے اور پانی کی رنگت دیکھتے ہی کہہ دیا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ یہاں سے کوئی شخص پانی نہ پیے۔ یہ حرکت بھی اُسی بدمعاش قارن کی تھی۔ امیر حمزہ کی ہدایت پر نئے کنویں کھودے گئے اور خدا کی قدرت کہ اِن میں سے پانی نکل آیا۔ سب لشکر اور گھوڑوں نے پانی پیا اور آگے چلے۔

راستے میں جتنے چشمے ملے سب کے پانی میں زہر ملا ہُوا تھا۔ قارن جانتا تھا کہ امیر حمزہ کا لشکر اِدھر سے گزرے گا۔ اس لیے وُہ ہر چشمے میں زہر ملاتا چلا گیا۔

لیکن اُس کی یہ چال بے کار گئی اور لشکر کا ایک شخص بھی اس زہر سے ہلاک نہ ہُوا۔

بائیسویں روز امیر حمزہ انطاکیہ کے نزدیک پہنچے۔ یہ ہفت ملک کا پہلا شہر تھا اور ایک بلند پہاڑ پر بسایا گیا تھا۔ پورا شہر ایک سنگین قلعے کے اندر تعمیر کیا گیا تھا اور قلعے کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ اُن پر کمند بھی نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں ایک طوفانی دریا بہہ رہا تھا۔ امیر حمزہ کا لشکر اُسی دریا کے کنارے اُترا اور خیمے لگانے لیے۔

قارن پہلے ہی سے قلعے میں پہنچ کر وہاں کے حاکم کو نوشیر واں کا خط دکھا چُکا تھا۔ شہر انطاکیہ کے تین قلعے تھے اور یہ تینوں قلعے ایک دوسرے سے بارہ بارہ کوس کے فاصلے پر تھے۔ تینوں قلعوں کے حاکم سگے بھائی تھے۔ پہلے قلعہ دار کا نام ہام، دوسرے کا سام اور تیسرے کا نام مہد زریں تھا۔ قارن نے باقی دو قلعہ داروں کو بھی نوشیر واں کا خط دکھایا اور کہا کہ عرب کا ایک نوجوان امیر حمزہ لشکر لے کر آ رہا ہے۔ وُہ نوشیر واں کے مُلک پر قبضہ کرنے کے ساتھ

ساتھ ہفت ملک پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ نہایت طاقت ور اور جی دار جوان ہے اور اُس کے ساتھ ہندوستان کا نامور بادشاہ لندھور بھی ہے۔ نوشیر واں کے لیے اِن کا مقابلہ دشوار ہے۔ اِس لیے وُہ چاہتا ہے کہ کِسی نہ کِسی حیلے سے کوئی شخص امیر حمزہ کو موت کی نیند سُلا دے۔ اُسے ہلاک کرنے کی کئی تدبیریں کی گئی ہیں۔ مگر وُہ ہر مرتبہ موت کے مُنہ سے بچ نِکلا۔

ہام نے اپنے دونوں بھائیوں سے مشورہ کیا۔ ایک بھائی کہنے لگا۔ ”گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس دس دس ہزار سوار موجود ہیں۔ رات کی تاریکی میں امیر حمزہ کے لشکر پر چڑھ دوڑیں گے۔“

یہ سُن کر سب سے بڑا بھائی ہنس پڑا اور بولا۔

”کُچھ عقل سے کام لو ورنہ مارے جاؤ گے۔ میں نے امیر حمزہ کو دیکھا ہے اور اُن کی شہ زوری سے خوب واقف ہوں۔ ان سے جیتنا ممکن ہی نہیں۔ اس کے علاوہ لِندھور بھی اُن کے ساتھ ہے۔ ذرا غور کرو کہ جس شخص کو نوشیر واں جیسا عظیم بادشاہ ہلاک نہ کر سکا، بھلا ہم اُسے کیونکر مار سکیں گے۔

میری رائے یہ ہے کہ اُن کی اطاعت قبول کر لی جائے۔ اسی میں ہماری سلامتی ہے۔"

دونوں چھوٹے بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی کے مشورے پر عمل کیا۔ اسی وقت امیر حمزہ کی خدمت میں ایلچی روانہ کیے اور حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

عادی پہلوان نے امیر حمزہ سے جا کر کہا کہ انطاکیہ کے تینوں قلعے دار آپ سے ملنے کے لئے آتے ہیں۔

امیر حمزہ نے حکم دیا کہ ہماری طرف سے چند سردار جائیں اور انہیں عزّت کے ساتھ لے آئیں۔

تھوڑی دیر بعد ہام، سام اور مہد زریں امیر حمزہ کے خیمے میں آئے۔ انہوں نے سب کو محبّت سے گلے لگایا اور ایسی خاطر تواضع کی کہ اُن کے دِلوں سے سارے اندیشے نکل گئے۔ تب ہام نے اُس خط کی نقل امیر حمزہ کو دکھائی جو

نوشیر واں نے اُسے بھی قارن کے ذریعے بھیجا تھا۔ امیر حمزہ یہ خط پڑھ کر بہت رنجیدہ ہُوئے اور دِل میں کہا، یقین نہیں آتا کہ نوشیر واں جیسے بادشاہ نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہو گی۔ مُمکن ہے قارن نے مُجھ کو نوشیر واں سے بد ظن کرنے کے لیے یہ جعلی خط بنایا ہو۔ پھر بھی اس کی تصدیق ضروری ہے۔ اسی وقت مقبل وفادار کو طلب کر کے حکم دیا کہ مدائن کی جانب کوچ کرو اور یہ خط نوشیر واں کو دکھا کر پوچھو کہ کیا تُم نے لکھوایا ہے؟ مُقبِل وفادار نے چند سپاہیوں کو ساتھ لیا اور مدائن کی طرف روانہ ہو گیا۔

کئی دِن تک انطاکیہ میں قیام کرنے کے بعد امیر حمزہ اگلی منزل کی جانب چلے۔ تینوں قلعہ دار ہام، سام اور مہد زرّیں بھی اُن کے ساتھ جانے کے لیے ضد کرنے لگے۔ آخر امیر حمزہ نے انہیں بھی لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

انطاکیہ سے پندرہ میل دُور شہر علانیہ آباد تھا اور وہاں کے حاکم کو انیس کہتے تھے۔ قارن حبشی اُس دوران میں نوشیر واں کے خط کی نقل انیس کو پہنچا کر

آگے جا چکا تھا۔ علانیہ کا حاکم بڑا شریر، بد ذات اور مکّار آدمی تھا۔ لڑنے بھڑنے کی اُس میں جرأت نہ تھی۔ ہاں مکر اور فریب کے ہتھیاروں سے کام لینا خوب جانتا تھا۔ اُس نے جب سُنا کہ امیر حمزہ کا لشکر شہر کی فصیل کے قریب آن پہنچا ہے تو نہایت شان و شوکت سے ایک ہزار سپاہیوں کے جھُرمٹ میں باہر آیا۔ امیر حمزہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور کہنے لگا۔

"حضُور نے بڑا اکرم فرمایا کہ یہاں تشریف لائے۔ میں اپنی خوش نصیبی پر جتنا ناز کروں کم ہے۔"

"اے انیس، ہم تجھ سے خراج وصول کرنے آئے ہیں، نوشیرواں شہنشاہِ ہفت اقلیم نے مُجھے اس کام کے لیے بھیجا ہے کہ باغیوں سے خراج وصول کروں اور اگر وُہ ادا نہ کریں تو انہیں مزہ چکھاؤں۔"

"عالی جاہ، اِس غلام کو بغاوت کرنے کا حوصلہ کہاں۔" انیس نے گڑ گڑا کر کہا۔ "جتنا جی چاہے، خراج لیجئے۔ آپ سے جنگ کرنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے، بلکہ میں تو چند دِن آپ کی میزبانی کی عزّت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

انیس نے اپنی چکنی چُپڑی باتوں سے امیر حمزہ کو شیشے میں اُتار لیا اور عرض کی کہ لشکر کو شہر سے باہر ٹھہرائیے اور خود اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے اندر میرے محل میں قیام کیجئے۔

امیر حمزہ نے اس کی درخواست منظور کی اور شہر میں آگئے۔ دو روز بعد انیس نے کہا۔

"عالی جاہ، بندے نے ایک نہایت عُمدہ حمام بنوایا ہے۔ آپ اس میں غُسل کر کے خُوش ہوں گے۔ اگر حکم ہو تو پانی گرم کراؤں؟"

اُس نے یہ درخواست ایسی عاجزی سے پیش کی کہ امیر حمزہ انکار نہ کر سکے اور کہا "اچھا، جیسی تمہاری خوشی۔"

انیس کا یہ حمام دراصل مَوت کا کمرہ تھا اور وُہ اِس میں نہ جانے کتنے آدمیوں کی جان لے چُکا تھا۔ اس حمام کے برابر میں اس نے ایک کمرہ نہایت خوش نُما بنا رکھا تھا۔ نہانے کے بعد وُہ مہمان کو اس کمرے میں پھل کِھلانے کے بہانے

سے لے جاتا۔ اس کمرے کی چھت کو لوہے کے چار ستون سہارا دیے ہوئے تھے اور ستونوں کے ساتھ زنجیریں بندھی تھیں۔ جب زنجیریں کھینچی جاتیں تو چھت دھڑام سے نیچے آن گرتی اور کمرے میں جتنے بھی آدمی موجود ہوتے سب کے سب اُس کے نیچے دَب کر مر جاتے۔

امیر حمزہ اپنے دوستوں کے ساتھ حمام میں گئے۔ دیکھا کہ بڑی عظیم عمارت ہے اور پانی کو گرم اور ٹھنڈا کرنے کے لیے اعلیٰ انتظامات کیے گئے ہیں۔ انیس نے امیر حمزہ اور لندھور وغیرہ کو تو حمام میں داخل کیا اور خود مَوت کے کمرے میں جا کر ایک بڑے دستر خوان پر قسم قسم کے لذیذ پھل چُن دیے۔ اُس کے بعد اُس نے اپنے چار طاقتور حبشی غلاموں کو طلب کر کے حکم دیا لوہے کی زنجیروں کو پکڑ لیں اور جوں ہی ڈھول بجنے کی آواز سُنائی دے، زنجیروں کو کھینچ لیں۔

امیر حمزہ، لندھور، مُقبِل وفادار اور عادی پہلوان سب حمام میں نہا رہے تھے۔ انہوں نے عُمرو کو بھی بُلایا کہ آ کر نہا لے، مگر وُہ نہ مانا کہنے لگا۔ ”تُم لوگ اپنے

بدن کا میل اُتارو۔ میں ذرا اس عمارت کا معائنہ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کہ اُٹھا اور چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھنے لگا۔ وُہ حمام کے پیچھے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ چار ہٹّے کٹّے توے کی سیاہی کی طرح کالے حبشی لوہے کی زنجیریں تھامے کھڑے ہیں۔ عُمرو حیران ہُوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ایک طرف ہٹ کر اپنی صورت سو سال کے بُڈّھے کی بنائی اور کمر جھُکا کر آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اُدھر آیا۔ ایک حبشی نے کہا۔

"او بُڈّھے، کیا تیری موت نے آواز دی ہے کہ اِدھر آ نِکلا؟ جلد یہاں سے بھاگ۔ کوئی دَم میں اِس کمرے کی چھت گرنے والی ہے۔ ہم ڈھول بجنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

یہ سُنتے ہی عُمرو وہاں سے رفُو چکّر ہُوا، اپنی اصلی صورت میں حمام کے اندر پہنچا اور امیر حمزہ کے کان میں کہہ دیا کہ "انیس نے تم سب کو مار ڈالنے کی ایک تدبیر سوچ رکھی ہے۔ خبر دار حمام کے برابر والے کمرے میں ہر گز نہ جانا ورنہ زندہ نہ آؤ گے۔ ایسی صورت کرو کے پہلے انیس خُود وہاں داخل ہو۔ پھر

دیکھنا میں کِس طرح اُسی کے سر پر وُہ چھت گراتا ہُوں۔"

جب امیر حمزہ اور اُن کے دوست نہا چُکے تو انیس نے کہا۔

"آیئے، اب میں آپ کو اپنے شہر کے خاص پھل کھلاؤں۔ یہ پھل اتنے لذیذ اور شیریں ہیں کہ آپ نے پہلے کبھی نہ کھائے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وُہ اُن سب کو موت کے کمرے کی جانب لے گیا اور اندر جانے کا اشارہ کیا مگر امیر حمزہ رُک گئے اور بولے۔ "یہ قاعدے کے خلاف ہے کہ مہمان پہلے قدم بڑھائیں۔ میزبان کو آگے بڑھنا چاہیے۔"

یہ سُن کر انیس مَوت کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اُدھر عُمرو نے اپنے مُنہ سے ایسی آواز نکالی جیسے ڈھول بج رہا ہو۔ ڈھول کی آواز حبشیوں کے کانوں تک گئی تو انہوں نے فوراً زنجیریں کھینچ لیں اور چھت ایک ہولناک دھماکے سے نیچے آپڑی۔ انیس کا جسم چھت کے بوجھ سے کُچل کر قیمہ بن گیا۔

یہ دیکھ کر لندھور، عادی پہلوان اور مُقبِل وفادار حیران رہ گئے۔ تب امیر حمزہ

نے انہیں انیس کی مکّاری اور عُمرو کی کارستانی سے آگاہ کیا۔

انیس کے مارے جانے کی خبر آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ فوجی سرداروں اور امیروں نے آ آکر امیر حمزہ کے قدموں پر سر رکھے اور اطاعت قبول کرلی۔

اس کے بعد امیر نے یہاں سے حَلب کی جانب کُوچ کیا۔

خطرناک اژدھا

حَلب میں ایک موچی حاکم بن بیٹھا تھا۔ اُس کا نام حادِث تھا۔ اُس شخص نے آہستہ آہستہ اپنی حیثیت بڑھائی، دولت جمع کی اور پھر اس دولت کے بَل بوتے پہ بدمعاشوں اور اُچکّوں کا ایک گروہ تیّار کر کے حَلب کے بادشاہ کے محل میں گھُس گیا۔ بادشاہ کو قید میں ڈالا اور خود اس کے تخت پر قبضہ جمالیا۔

قارن نے حادِث کے پاس پہنچ کر نوشیرواں کے خط کی نقل دی اور کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ جو شخص حمزہ کو موت کے گھاٹ اُتارے گا اُس کا احسان زندگی بھر نہ بھُولوں گا۔ حادِث یہ سُن کر خوش ہُوا اور اکڑ کر کہنے لگا۔

"میری چالاکی اور عیّاری کے سامنے ایک حمزہ کیا، دس بھی آجائیں تو سب کو

ایسی جگہ ماروں کہ پانی بھی نہ ملے۔"

"ہاں، حمزہ کو اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔" قارن نے کہا۔ "لڑائی کے میدان میں اُس پر قابو پانا ممکن نہیں۔"

"لڑائی بھڑائی سے تو میں خود بھی ڈرتا ہوں۔" حادِث نے کہا۔ "میں تو ذات کا موچی ہوں۔ میرے باپ دادا ساری عمر جُوتیاں گانٹھتے رہے۔ ہم لوگ تیر، تلوار کو کیا جانیں، ہاں عیّاری کے میدان میں حمزہ کو زیر کرنے کی کئی تدبیریں میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔"

"اگر ہرج نہ ہو تو اِس خادم کو بھی اِن تدبیروں سے آگاہ فرمائیں۔" قارن نے کہا۔

"ایک تدبیر یہ ہے کہ میں ظاہر میں امیر حمزہ کی اطاعت کروں، پھر اُن سے کہوں گا کہ مجھے چُوگان کھیلنے کا بڑا شوق ہے۔ بڑے بڑے کھلاڑیوں کو ہرا چُکا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ کھیلیے۔ میدان کے ایک سِرے پر میں نے خاصا

گہرا کنواں بنوا رکھا ہے۔ اُس کنویں کے اندر برچھیاں گڑی ہوئی ہیں۔ کنویں کو نظروں سے چھُپانے کے لیے اس کے قریب جھاڑیاں کھڑی کر دی ہیں۔ امیر حمزہ سے کہا جائے گا کہ جو شہ سوار اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اِن جھاڑیوں کو پھلانگ جائے گا، وہی بازی جیتے گا۔ مجھے یقین ہے کہ حمزہ اپنے گھوڑے سمیت کنویں کے اندر جا گرے گا۔"

یہ انوکھی تدبیر سُن کر قارن عش عش کر اُٹھا۔

تیسرے دِن حادِث نے سُنا کہ امیر حمزہ کا لشکر آن پہنچا۔ اِس مکّار نے فوراً امیر حمزہ کی خدمت میں چند بیش قیمت تحفے روانہ کیے اور پیغام بھجوایا کہ میں آپ کی اطاعت قبول کرتا ہُوں۔ اگلے روز وُہ خود امیر حمزہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور ایسی خوش اخلاق اور فرماں برداری سے پیش آیا کہ امیر خوش ہو گئے۔ حادِث نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"حضور، اگر غلام کی درخواست قبول ہو تو شہر میں تشریف لے چلیے۔ لوگ آپ کی زیارت کے لیے بے چین ہیں۔"

امیر حمزہ اپنے دوستوں سمیت حَلب میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ شہر دلہن کی طرح سجا ہُوا ہے۔ جابجا محرابیں اور آرائشی دروازے بنائے گئے ہیں۔ گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کا ہجوم ہے۔ امیر حمزہ کی سواری پر پھولوں کی بارش کی گئی اور فوجی سپاہیوں نے طرح طرح کے کرتبوں اور کھیل تماشوں کا مظاہرہ کیا۔

حادِث نے اپنے محل میں امیر حمزہ کی عظیم الشّان دعوت کی۔ قسم قسم کے کھانے پکوائے۔ عادی پہلوان نے دیگیں کی دیگیں صاف کر دیں اور پھر بھی بھُوکا رہ جانے کی شکایت کرتا نظر آیا۔ آخر حادِث نے اُسے خوش کرنے کے لیے ایک بڑے اونٹ کو ذبح کرا کے بھُنوایا اور عادی کو اس کے سامنے بٹھا دیا۔ عادی نے ایک لمبا سا چاقو سنبھالا اور اُونٹ کو اُدھیڑ اُدھیڑ کر ہڑپ کرنے لگا۔ اس انسانی دیو کا تماشا دیکھنے کے لیے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور اُن پر ہیبت طاری ہو گئی۔ حادِث دِل ہی دِل میں لرز رہا تھا کہ یہ آدمی ہے یا کوئی جِن۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ شخص چند دِن اور یہاں رہا تو شہر کے سب

آدمی بھوکے مَر جائیں گے۔

حادِث نے تین دن تک امیر حمزہ کی ضیافت کی اور دِل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ امیر اُس کی مہمان نوازی سے بے حد خُوش تھے اور انھوں نے اُس کو اپنا بھائی بنالیا تھا۔ لیکن یہ مُوذی اُنھیں مارنے کے لیے اندر ہی اندر سامان تیّار کر رہا تھا۔

چوتھے دن حادِث امیر حمزہ کے سامنے پہنچا اور چوگان کھیلنے کا قصّہ چھیڑ دیا۔ اُس نے اپنی اس قدر تعریفیں کیں کہ امیر حمزہ ضبط نہ کہ سکے۔ بولے۔

"حادِث بہائی، اتنی ڈینگیں مارنے سے فائدہ کیا؟ گیند موجود ہے اور میدان بھی دُور نہیں۔ آؤ، آج تُم سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے حضُورِ والا کہ آپ کے ساتھ چوگان کھیلنے کا موقع ملا۔" حادِث نے عاجزی سے دانت نکال کر کہا۔ پھر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میدان درست کیا جائے۔ وہاں کیا دیر تھی۔ حادِث نے سب انتظام پہلے

ہی سے کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وُہ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں چوگان (بلّا) لیے آن پہنچا۔ امیر حمزہ نے بھی عُمرو کے مشورے سے پیغمبروں کے ہتھیار بدن پہ سجائے اور سیاہ قیطاس پر سوار ہو کر چلے۔

حادِث نے کہا۔ "اے امیر پہلے آپ اپنا چوگان گیند پر لگائیں۔"

"پہل کرنا میرا اصول نہیں۔ تُم کھیل شروع کرو۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔

تب حادِث آداب بجالایا اور گیند سے کر چلا۔ امیر حمزہ نے اس کے اپنے گھوڑا دوڑایا اور گیند اُس سے چھین لی۔ دیر تک اسی طرح بھاگ دوڑ ہوتی رہی۔ گیند کبھی حادِث کے پاس آ جاتی اور کبھی امیر حمزہ کے پاس۔ آخر حادِث نے اپنا گھوڑا اُس رُخ پر ڈال دیا جس رُخ پر وُہ کنواں جھاڑیوں کے پیچھے مُنہ پھاڑے موجود تھا۔ مکّار حادِث تو ہلکا سا چکّر کاٹ کر مُڑ گیا مگر امیر حمزہ نے اپنا گھوڑا روکنا مناسب نہ سمجھا۔ اپنے آگے اُونچی جھاڑیاں دیکھ کر گھوڑے نے رُکنا چاہا لیکن امیر حمزہ نے صالح نبی کا چابُک اُس کی ٹانگ پر مارا۔ گھوڑے نے زبردست چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں کو پار کر گیا۔ مگر اس کے پچھلے پاؤں

کنویں کی مُنڈیر سے ٹکرائے اور وُہ آدھا کنویں کے اندر اور آدھا باہر رہ گیا۔ امیر حمزہ اُچھل کر پرے جا گرے۔

حادِث نے جب امیر حمزہ کو گھوڑے کی پیٹھ پر نہ دیکھا تو اسی وقت بگل بجا کر اپنے لشکر کو اشارہ کر دیا کہ حملہ کر دو۔ اُس کے تیس ہزار سپاہی آناً فاناً امیر حمزہ کے لشکر پر آن گرے۔ لیکن لندھور، سلطان بخت مغربی، عادی اور مُقبِل وفادار جیسے بہادروں کے سامنے اُن کی کوئی پیش نہ گئی اور چند لمحوں کے اندر اندر حادِث کی آدھی فوج خاک اور خُون میں لتھڑ چُکی تھی۔

امیر حمزہ اچھل کر زمین پر گر پڑے تھے۔ اب جو وُہ اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف قارن کھڑا ہے اور یہ منظر دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ امیر حمزہ اُس کی شکل دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ سب کیا دھرا اُسی بدمعاش کا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے گھوڑے کو کنویں سے نکالا، پھر قارن نے پیچھے لپکے۔ وُہ بھاگا، مگر بچ کر کہاں جاتا۔ حمزہ نے اُسے پکڑ کر سر سے اُونچا کیا اور ایک چٹان پر مارنا چاہتے تھے کہ اُس نے گڑگڑا کر کہا۔

”اے حمزہ، اگر تو میری جان بخش دے تو تین چیزیں ایسی دُوں کہ نوشیر واں کی سرکار میں بھی نہ نکلیں۔“

”بہت اچھا، میں نے تجھے چھوڑا۔ لاؤ وہ چیزیں نکال۔“ امیر نے کہا۔

قارن نے ایک خنجر نکالا جس کے دستے پر بہت سے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ کہنے لگا۔ ”یہ خنجر طیمورس دیوبند کا ہے۔ کئی پُشتوں سے ہمارے خاندان میں چلا آتا ہے۔ اب آپ کی نذر ہے۔“

اس کے بعد قارن نے ایک بازو بند امیر حمزہ کو دیا جس میں بارہ لعل شبِ چراغ لگے ہوئے تھے اور ہر لعل کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ اُن کی چمک چمک اتنی تھی کہ آنکھ نہ ٹھہرتی تھی۔

”تیسری چیز کہاں ہے؟“ امیر حمزہ نے کہا۔ ”یاد رکھ اگر دھوکا دے گا تو اپنا قول توڑ کر تجھے کتّے کی موت ماروں گا۔“

”تیسری چیز ایک خزانہ ہے جو سامنے پہاڑ کے ایک غار میں دبا ہُوا ہے۔“

قارن نے کہا۔

اتنے میں عُمرو عیّار امیر حمزہ کی تلاش میں وہاں آیا۔ انہوں نے قارن کے ہاتھ پیر باندھ کر عُمرو کے حوالے کیا اور کہہ دیا کہ خزانہ مِل جائے تو اسے چھوڑ دینا ورنہ جو تمہارا جی چاہے، وُہ سلوک اِس سے کرنا۔

خزانے کا ذکر سُن کہ عُمرو کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ بے حد خُوش ہُوا۔ قارن کے سر پر ایک دھول جما کر بولا۔

"چل بے۔ جلدی بتاوُہ خزانہ کہاں ہے؟"

قارن نے کئی گھنٹے تک عُمرو کو پہاڑوں اور غاروں میں پھرایا اور خوب پریشان کیا۔ کبھی کہیں سے مِٹّی کھُدواتا، کبھی کہیں سے۔ آخر عُمرو تنگ آگیا۔ کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے تو میرے ساتھ مکر کہ رہاہے۔ خزانے کا تجھے کچھ علم نہیں۔"

اِتنی مُہلت سے فائدہ اُٹھا کر قارن نے اپنے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسّی ڈھیلی

کر لی تھی۔ اُس کے بعد اچانک اُس نے پھندا نکال پھینکا اور ایک جانب بھاگ کھڑا ہُوا، لیکن دوڑنے میں بھلا عُمرو کا کیا مقابلہ کرتا۔ پلک جھپکتے میں عُمرو نے اُسے اِس طرح جا دبوچا جس طرح بھُوکا چیتا ہرن کو دبوچ لیتا ہے۔

قارن نے عُمرو سے زور آزمائی شروع کی مگر عُمرو نے اپنا خنجر اِس زور سے اُس کی چھاتی میں مارا کہ دستے تک سینے میں اُتر گیا۔ قارن نے ایک بھیانک چیخ ماری اور ریت پر گر کر تڑپنے لگا۔ پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ عُمرو وہاں سے اپنے لشکر میں آیا اور قارن کے مارے جانے کی اطلاع امیر حمزہ کو دی۔ امیر حمزہ نے حادِث کو قتل کر کے حَلب کے بادشاہ کو قید سے آزاد کیا اور اُسے دوبارہ شہر کا حاکم بنایا پھر وُہ مُلک یونان کی جانب روانہ ہوئے۔

یونان کے بادشاہ کا نام فریدوں شاہ تھا۔ اُسے خبر بھی نہ تھی کہ امیر حمزہ اپنی فوج لے کر یُوں آ جائیں گے۔ قارن کو فریدوں شاہ تک پہنچنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ ورنہ وُہ ضرور اُسے بھی بہکاتا۔ فریدوں شاہ نے جب امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُنی تو شہر سے باہر نکل کر اُن کا استقبال کیا اور حیران ہو کر کہنے لگا۔

”کیوں صاحب، مُجھ سے ایسا کون سا قصُور ہوا کہ نوشیر واں نے آپ کو میرے مُلک پر چڑھائی کا حکم دیا؟“

”آپ نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے مُجھے یہاں آنا پڑا۔ اب یا تو خراج ادا کیجئے، ورنہ میدانِ جنگ میں ہمارا آپ کا فیصلہ ہو گا۔“

فریدوں شاہ نے امیر حمزہ کی یہ بات سُنی تو ہنسا اور بولا۔

”میں نے خراج ادا کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا، یہ افواہ کسی دشمن نے اُڑائی ہو گی۔ میں تو نوشیر واں کا وفادار ہوں۔“

تب امیر حمزہ نے اُسے ساری داستان کہہ سُنائی۔ فریدوں شاہ کہنے لگا۔

”افسوس کہ نوشیر واں جیسا عادِل اور عظیم بادشاہ آپ کے ساتھ ایسی دھوکا بازی کرے۔ دراصل اُس کے وزیروں میں ایک وزیر بختک نام کا ایسا شیطان ہے کہ ہمیشہ نِت نئی شرارتیں کرتا ہے۔ یہ آگ بھی اُسی کی لگائی ہوئی ہے۔ وُہ نہیں چاہتا کہ شہزادی مِہر نگار کی شادی آپ سے ہو۔ بہر حال آپ میرے

مہمان ہیں۔ مُجھ سے جو خدمت ممکن ہے، کروں گا۔ لیکن ایک درخواست آپ سے کرتا ہوں۔ اُمّید ہے آپ منظور فرمائیں گے۔"

"کہیے، میں ہر طرح حاضر ہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "جنوب کی جانب، شہر سے کوئی دس کوس دُور، ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے اُوپر ایک خوفناک اژدھا رہتا ہے۔ اب تک نہ جانے کتنے آدمیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ اس کی مارنے کے سیکڑوں جتن کیے گئے۔ لیکن وُہ کسی طرح نہ مر سکا۔ اس کے مُنہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں اور جو چیز بھی اِن شعلوں کی زد میں آ جائے، جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ اس اژدھے کو مار سکیں تو نہ صرف مُجھ پر، بلکہ میری تمام رعایا پر آپ کا احسان ہو گا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کہنے لگے۔

"فریدوں شاہ، تُم غم نہ کرو۔ خدا نے چاہا تو ہم تمہیں اِس بلا سے نجات دِلا دیں گے۔"

اگلے روز امیر حمزہ نے عُمرو عیّار کو اپنے ساتھ لیا اور پہاڑ کی جانب روانہ ہوئے۔

راستہ نہایت دشوار تھا۔ جا بجا گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں کئی کئی اِنچ لمبے کانٹے تھے۔ زمین پتھریلی اور خُشک تھی اور میلوں تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔

اُس پہاڑ کے ارد گرد ایک بڑا سا جنگل تھا جس کے درخت کالے اور جھُلسے ہوئے تھے۔ امیر حمزہ سمجھ گئے کہ یہ درخت اُسی اژدھے کے مُنہ سے نکلنے والی آگ سے جلے ہیں۔ انہوں نے عُمرو عیّار کو ایک ٹیلے کے پیچھے چھُپ جانے کا اشارہ کیا اور خود اژدھے کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔

تھوڑے فاصلے پر سیاہ رنگ کا ایک اُونچا ٹیلا سا دکھائی دیا۔ غور سے دیکھا تو یہی وُہ مُوذی اژدھا تھا جو کُنڈلی مارے سو رہا تھا۔

امیر حمزہ نے اپنی کمان میں تیر چڑھایا اور اُس کی ایک آنکھ کا نشانہ لے کے چلا دیا۔ تیر سنسناتا ہُوا گیا اور اژدھے کی آنکھ پر جا کر لگا۔ اژدھے نے اُوپر مُنہ

اُٹھا کر اِس زور سے پھُنکار ماری کہ آگ کے شعلے دُور تک گئے اور پوری فضا کو جھلس دیا۔ اِن شعلوں کی گرمی اتنی تھی کہ امیر حمزہ بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر انہوں نے ایک اور تیر چلا کر اژدھے کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ دی۔ اب اژدھے کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ اس کے مُنہ سے شعلوں کے ساتھ ساتھ نہایت ڈراؤنی آوازیں بھی نِکل رہی تھیں اور وُہ اِدھر سے اُدھر گھُوم رہا تھا۔

امیر حمزہ نے اطمینان سے تلوار نکالی اور اژدھے کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد واپس شہر میں آئے اور فریدوں شاہ کو خبر کی۔ اژدھے کے مارے جانے کی خبر جس نے سُنی، خوشی سے اُچھل پڑا اور ہزاروں لوگ اُسے دیکھنے کے لیے پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فریدوں شاہ نے کئی روز تک امیر حمزہ کو اپنے ہاں مہمان رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اُسے اِس عرب نوجوان سے محبت ہو گئی تھی اور وُہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صُورت نکلے کہ امیر حمزہ اُسی کے ہو جائیں۔ سوچتے سوچتے اُس کے ذہن میں

ایک انوکھی تدبیر آئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وُہ اپنی بیٹی شہزادی مریم کی شادی امیر حمزہ سے کر دے گا۔ اُس نے اپنے بھائی کو بُلا کر یہ بات بتائی اور اسے امیر حمزہ کے پاس بھیجا۔ فریدوں شاہ کے بھائی نے جب امیر حمزہ کو شہزادی مریم سے شادی کا پیام دیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں شہزادی مِہر نگار سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں۔

استفتانوش

یُونان سے چل کر امیر حمزہ کا لشکر رُوم کی سرحد پر پہنچا۔ یہاں حادِیس نام کے ایک طاقت ور بادشاہ کی حکومت تھی۔ اُس کے دو بھتیجے تھے۔ ایک کا نام استفتانوش اور دوسرے کا صَدَف نوش تھا۔ دونوں بھائی آدمی کے بجائے دیو نظر آتے تھے۔ ایک کا قد ساڑھے چھ فُٹ اور دوسرا سات فُٹ کا تھا۔ چہرے سُرخ، مونچھیں گھنی اور نوکیلی۔ بھری بھری داڑھیاں، آنکھیں باہر کو اُبلی ہوئیں اور سر منڈے ہوئے تھے۔ وُہ اپنے چچا حادِیس بادشاہ کے محافظ تھے اور دربار میں اِن دونوں کی کرسیاں تختِ شاہی کے دائیں بائیں رکھی جاتی تھیں۔ پورے ملک میں اُن کی ٹکّر کا کوئی شخص نہ تھا۔ ہر طرف ان کی بہادری اور زور آوری کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

جب انہوں نے امیر حمزہ کے آنے اور شہر کا مُحاصرہ کرنے کی خبر پائی تو اُن کا خون کھول گیا۔ رُوم کی عظیم سلطنت جو کبھی ایران کے برابر سمجھی جائی تھی، بھلا عربوں کو کب خاطر میں لاتی۔ حادِیس نے اپنے دونوں بھتیجوں کو حکم دیا کہ دس دس ہزارہ سوار لے کر میدان میں جائیں اور امیر حمرہ کو تہس نہس کر دیں۔

ابھی یہ دونوں بھائی لڑائی کے احکام جاری کی رہے تھے کہ امیر حمزہ کا ایلچی حادِیس کے نام اس مضمون کا خط لے کر آیا۔

"یہ خط امیر حمزہ کی جانب سے رُوم کے بادشاہ حادِیس کے نام بھیجا جاتا ہے۔ خبر دار ہو جاؤ کہ تمہاری قضا آن پہنچی۔ نوشیر واں شہنشاہ ہفت کِشور نے مُجھے بھیجا ہے کہ تمہیں زیر کر کے خراج حاصل کروں اور آئندہ کے لیے اطاعت کا وعدہ لوں۔ اگر میری خدمت میں کل صُبح تک خراج لے کر حاضر ہو جاؤ تو تمہیں اور تمہاری رعایا کو امان ہے ورنہ شہر اور قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور کِسی کو ہر گز جیتا نہ چھوڑوں گا۔"

حادِیس نے جب یہ خط پڑھا تو طیش کے مارے کانپنے لگا۔ چہرہ تانبے کی مانند تپ کر سُرخ ہو گیا۔ حکم دیا کہ امیر حمزہ کے ایلچی کے ناک کان کاٹ ڈالے جائیں۔ بس یہی اس خط کا جواب ہے۔ حکم سنتے ہی شاہی جلّاد نے ایلچی کو پکڑ لیا اور خنجر سے کان ناک کاٹنا چاہتا تھا کہ استفتانوش اپنی کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس نے آگے بڑھ کہ جلّاد کو اِس زور کا گھونسا مارا کہ وُہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا۔ یہ دیکھ کر حادِیس حیران ہُوا۔ کہنے لگا۔

"استفتانوش، تو نے یہ کیا حرکت کی؟"

"بادشاہ سلامت، آپ اپنا حکم واپس لیں۔ ایلچیوں کو مارنا یا اُن کے کان ناک کٹوانا بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔ بہادری یہ ہے کہ ہم میدان میں نِکل کر امیر حمزہ سے دو دو ہاتھ کریں۔ ایلچیوں کا کام پیغام پہنچانا ہے، ہمارا اِس سے کیا جھگڑا۔"

یہ سُن کر بادشاہ حادِیس نے سر جھکا لیا اور کہا۔

"تو سچ کہتا ہے۔ مُجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" پھر اُس نے امیر حمزہ کے ایلچی سے کہا۔

"جاؤ اور جا کر اپنے سردار سے کہہ دو کہ ہم کل صُبح اِس بے ہودہ خط کا جواب میدانِ جنگ میں دیں گے۔"

ایلچی نے یہی بات آن کر امیر حمزہ سے کہی اور استفتانوش کا واقعہ بھی سُنایا کہ اگر وُہ حادِیس کو نہ سمجھاتا تو جلّاد میرے کان ناک کاٹ ڈالتا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ کہنے لگے۔

"ایسا معلوم ہوتا کہ استفتانوش واقعی بہادر آدمی ہے۔"

اگلے روز سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے ہی حادِیس کی فوج میدانِ جنگ میں آن کھڑی ہوئیں۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں نے بھی ہتھیار جسم سے باندھے، گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سامنے آ کر ڈٹ گئے۔ طبلِ جنگ بجنے لگا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے قیامت کا شور پیدا ہُوا۔ اتنے میں ایک گرانڈیل

جوان سُرخ گھوڑے پر سوار میدان میں نکلا اور بلند آواز سے بولا۔

”جو نہیں جانتا وُہ جان لے کہ میرا نام استفتانوش ہے۔ میرے سامنے موت بھی آتے ہوئے کانپتی ہے۔ جو شخص زندہ رہنے کا خواہش مند نہ ہو، وُہ مجھ سے مقابلہ کرے۔ ابھی دَم کے دَم میں دوسری دنیا کو روانہ کر دوں گا۔“

استفتانوش کا چیلنج سُن کے امیر حمزہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ اُسی وقت لندھور اپنا ہاتھی بڑھا کر آگے آیا اور استفتانوش سے جنگ کرنے کی اجازت چاہی۔

”جاؤ تمھیں خدا کے سپرد کیا۔“ امیر حمزہ نے لِندھور سے کہا۔

تب لِندھور کا ہاتھی جھُومتا ہُوا چلا اور استفتانوش کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ استفتا نوش نے حیرت سے لِندھور کو دیکھا۔ دِل میں خوش ہُوا کہ واقعی جی دار پہلوان نظر آتا ہے۔ کہنے لگا۔

”اے سیاہ فام شخص، تُو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ جلد بتا تا کہ بے نام و نشان نہ مارا جائے۔“

لِندھور مُنہ کھول کر ہنسا اور جواب دیا۔

"میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں اور میرا نام لِندھور ہے۔"

استفتانوش نے یہ نام سُن رکھا تھا۔ دِل میں ایک لرزہ سا پیدا ہُوا، مگر فوراً ہی اپنا گرز سر سے بُلند کر کے چلّایا۔

"اے لِندھور پھر نہ کہیو کہ خبردار نہ کیا۔ میرے وار سے خود کو بچا سکتا ہو تو بچا۔"

یہ کہہ کر اِس زور سے گرز لِندھور کے سر پر مارا کہ کوئی اور ہوتا تو اُس کا بدن قیمہ قیمہ ہو جاتا مگر آفرین ہے لِندھور پر کہ اس نے اِس بے پناہ ضرب کو اپنی ڈھال پر روک لیا۔ پھر بھی اُس کے پسینے چھوٹ گئے اور اس نے جی میں اقرار کیا کہ واقعی استفتانوش کے بازوؤں میں بھی جان ہے۔

"لے پہلوان، اب میرا وار ہوتا ہے۔" لِندھور نے اپنا فولادی گرز گھُماتے ہوئے کہا اور ہاتھی کو آگے بڑھا کر پُوری قوّت سے گرز استفتانوش کے سر پر

مارا۔ آگ کا ایک عظیم شعلہ استفتانوش کی ڈھال سے نِکلا اور اِس زور کا دھماکا ہُوا کہ اُس کی آواز سات کوس تک سُنی گئی۔ استفتانوش کے بدن پر کپکپی طاری ہوئی۔ مگر وُہ نہایت مردانگی سے ڈٹا رہا اور ہنس کر کہنے لگا۔

"اے لِندھور، آفرین ہے اس ماں پر جس کا تجھ جیسا بیٹا ہے، میں بہت دِنوں سے تیرا نام سُنتا تھا اور سچ یہ ہے کہ جیسا سُنا ویسا ہی پایا۔"

یہ کہہ کر استفتانوش نے پھر اپنے گرز سے حملہ کیا۔ کئی گھنٹے تک لڑائی ہوتی رہی۔ دونوں پہلوان پسینے میں تَر ہو گئے۔ مگر فیصلہ نہ ہُوا کہ کون جیتا کون ہارا۔ آخر سورج غروب ہُوا۔ لڑائی بند کرنے کا طبل بجا اور دونوں پہلوان اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔ امیر حمزہ نے لِندھور کو سینے سے لگایا۔ اس کی بہادری کی تعریف کی اور کہا۔

"استفتانوش واقعی بہادر پہلوان ہے۔ اتنی دیر تک تمہارے ساتھ لڑتا رہا۔"

"آپ نے سچ فرمایا۔ اپنی زندگی میں، آپ کے بعد اس سے زیادہ جی دار اور

طاقت ور شخص سے لڑنے کا کبھی اتفاق نہیں ہُوا تھا۔" لِندھور نے جواب دیا۔

صبح مُنہ اندھیرے پھر لڑائی کا نقارہ بجا۔ دونوں فوجیں میدان میں آئیں اور صفیں باندھ لیں۔ استفتانوش اس مرتبہ ہاتھی پر سوار ہو کر آیا اور گرج کر کہا۔

"جس کو موت کی خواہش ہو، وُہ میرے سامنے آئے۔"

یہ نعرہ سُن کر امیر حمزہ نے دائیں بائیں دیکھا، لِندھور اپنے ہاتھی کو آگے بڑھا کہ میدان میں جانا چاہتا تھا کہ عادی پہلوان نے اُسے روکا اور کہا۔

"بھائی لِندھور، تُم اس مُوذی کے ساتھ کل دو دو ہاتھ کر چکے ہو۔ آج مجھے جانے دو۔"

یہ کہہ کر اُس نے امیر حمزہ کی جانب دیکھا۔ امیر نے کہا۔

"جاؤ عادی بھائی، تمہیں خدا کو سونپا۔ ذرا دیکھ بھال کر لڑنا۔"

عادی پہلوان خود ہاتھی سے کیا کم تھا۔ مگر جب وُہ سولہ فٹ اُونچے ایک سیاہ اور گرانڈیل ہاتھی پر بیٹھ کر استفتانوش کے مقابلے میں آیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کالے رنگ کا ایک پہاڑ چلا آتا ہے۔ استفتانوش نے جی میں کہا کہ یہ ضرور حمزہ ہے۔ پکار کر کہنے لگا۔

"کیا تیرا ہی نام حمزہ ہے؟"

عادی پہلوان نے قہقہہ لگایا اور جواب دیا۔

"میں حمزہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ مُجھے عادی کرب کہتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تو تُو اپنے آقا پر نثار ہونے آیا ہے۔"

"اگر ایسا ہو تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔"

عادی نے جواب دیا۔ "اچھا، زیادہ باتیں مت بنا اور حملہ کر۔ بعد میں شکایت نہ کیجیو کہ تو نے حوصلہ نہیں نکالا۔"

یہ سُن کہ استفتانوش کا خون کھُول گیا۔ ایک دِل دہلا دینے والے نعرے کے ساتھ وُہ عادی پہلوان کی طرف جھپٹا اور اپنا گرز اِس روز سے مارا کہ عادی کی روح سمٹ کر حلق میں آ گئی اور اُس کا ہاتھی بُری طرح چنگھاڑنے لگا۔ تب عادی نے اپنا گرز دونوں ہاتھوں سے گھمایا اور استفتانوش نے سر پر مارا۔ اگر وُہ ڈھال سے نہ روکتا تو اُس کے سر کے ہزار ٹکڑے ہو جاتے۔ پھر تو دونوں میں ایسی خوف ناک جنگ ہوئی کہ دوستوں اور دشمنوں کے لیے کلیجے کانپ اُٹھے۔ لڑتے لڑتے شام ہو گئی اور دونوں خون میں نہا گئے۔ آخر لڑائی بند کیے جانے کا نقارہ بجا۔

عادی پہلوان اپنی فوج میں آیا تو سب نے اس کی ہمّت اور جوان مَردی پر شاباش دی۔ عُمرو کہنے لگا "یار عادی، مُجھے تو آج معلوم ہُوا کہ تو کِس بَلا کا پہلوان ہے۔ استفتانوش کے چھکّے چھڑا دیے۔ مَیں تجھے کسی روز پیٹ بھر کر دُودھ پلاؤں گا۔"

عُمرو کی اس بات پر سب نے قہقہے لگائے۔ اگلے روز پھر وہی منظر تھا۔ میدانِ

جنگ میں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں اور استفتانوش سفید رنگ کے ایک خوبصورت گھوڑے پر بیٹھا میدان کا چکر لگا رہا تھا۔

اِس مرتبہ پھر اُس نے جنگ کے لیے کسی پہلوان کو طلب کیا۔ سلطان بخت مغربی نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ استفتانوش نے للکار کر کہا۔

"حمزہ اپنے دوستوں اور غُلاموں کو مُجھ سے لڑنے کے لیے بھیجتا ہے اور خود سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیا اِسی بہادری پر وُہ ناز کرتا ہے؟"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے سلطان بخت مغربی کو روک دیا اور کہنے لگے۔ "استفتا نوش سچ کہتا ہے۔ مجھے پہلے ہی اُس کے مقابلے میں جانا چاہیے تھا۔" پھر انہوں نے مقبل وفادار سے کہا "بھائی، ذرا میرے ہتھیار تو لے آؤ۔"

مُقبِل نے حکم کی تعمیل کی۔ امیر حمزہ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا جُبّہ پہنا۔ پھر حضرت اسحاق کا پیراہن گلے میں ڈالا۔ داؤد علیہ السّلام کی زِرہ پہنی اور ہُود نبی کا خود نہایت شان سے سر پر رکھا۔ حضرت صالح علیہ

السّلام کے موزے پیروں پر چڑھائے، صمصام اور قمقام نامی دو تلواریں کمر سے باندھیں۔ سیاہ گھوڑے قیطاس پر سوار ہوئے اور اپنی فوج کی سلامی لیتے ہوئے میدانِ جنگ میں آئے۔

استفتانوش نے خوف کی نظر سے اِس جوان کو دیکھا اور کہنے لگا۔ ”کیا تو ہی امیر حمزہ ہے؟“

”ہاں، میں ہی حمزہ ہوں۔“

”قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ تُو مُجھے کِسی رُخ سے بھی پہلوان نظر نہیں آتا۔“ استفتانوش نے کہا۔ ”اگر واقعی تو حمزہ ہے تو جا، میں نے تیری جان بخشی کی۔“

امیر ہنسے اور کہنے لگے۔ ”استفتانوش، میرے کئی دوست تجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیّار تھے۔ مگر تُو نے مجھے پکارا۔ پس میں آیا۔ مگر تُو لڑنے سے جی چُراتا ہے۔“

”میں لڑنے سے جی نہیں چُراتا۔ مجھے تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ بھلا لِندھور اور عادی جیسے دیو مُجھے زیر نہ کر سکے تو تیری کیا حیثیت ہے۔ اچھا، وار کر۔“

”پہلے وار کرنا میری شان کے خلاف ہے۔“ حمزہ نے کہا ”تو پہل کر۔“

”لے سنبھل۔“ یہ کہہ کر استفتانوش نے گرز گھُما کر مارا۔ حمزہ نے ڈھال پہ روکا، مگر ضرب ایسی تھی کہ قیطاس کے قدم لڑکھڑا گئے۔

حمزہ نے کہا ”اے استفتانوش، دو وار اور تجھ کو دیے۔“

تب استفتانوش نے خُدا کی دی ہوئی ساری طاقت جمع کر کے دو حملے اور کیے۔ امیر حمزہ نے اُن کو بھی خوبی سے روکا۔ پھر اپنا گرز اُٹھا کر بولے۔

”اے استفتانوش، یہ گرز میرا نہیں۔ حشّام ڈاکو کا ہے۔ خبر دار ہو جا۔“

یہ کہہ کر انہوں نے دونوں پاؤں رکابوں میں اچھّی طرح پھنسا لیے، پھر گرز ہاتھوں میں پکڑ کر اِس زور سے مارا کہ استفتانوش کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی

اور وُہ اپنے سوار سمیت دھم سے زمین پر گر پڑا۔ استفتانوش کے گرتے ہی قیامت کا شور پیدا ہُوا۔ لیکن فوراً ہی وُہ اُٹھا اور تلوار کھینچ کر حمزہ کی طرف لپکا۔ وُہ بھی اپنے گھوڑے سے اُترے اور تلوار نکال لی۔

دیر تک تلوار بازی ہوتی رہی۔ آخر حمزہ نے ایک ہاتھ ایسا مارا کہ استفتانوش کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ اس نے تلوار کا دستہ ایک طرف پھینک دیا اور خُود امیر حمزہ سے لپٹ گیا۔

استفتانوش نے ہزار داؤ کیے، مگر کوئی بس نہ چلا۔ آخر اس کا دَم پھول گیا اور وُہ بھاگنے کا ارادہ کرنے لگا۔ اُسی وقت امیر حمزہ نے اُس کی کمر پکڑ کر سر سے اونچا اُٹھا لیا اور چاہتے تھے کہ گھُما کر زمین پر پٹک دیں کہ اس نے امان طلب کی۔ تب حمزہ نے اُسے آہستہ سے زمین پر لٹا کر چِت کر دیا۔ عُمرو نے اُسی وقت آکر اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور ڈنڈا ڈولی کر کے اپنے لشکر میں لے گیا۔

اپنے بھائی کی یہ دُرگت بنتے دیکھ کر صَدَف نوش کو تاؤ آیا۔ گھوڑے پر بیٹھ کر آندھی کی طرح میدان میں آیا اور تلوار نکال کر حمزہ پر حملہ کیا۔ اُنھوں نے

وار روکا اور اس کی کمر تھام کر اس کے گھوڑے کے پیٹ میں اِس زور سے لات ماری کہ گھوڑا چالیس قدم دُور جا کر گرا اور صَدَف نوش حمزہ کے ہاتھ میں بِلبِلاتا رہ گیا۔ تب اُنھوں نے اُسے بھی زمین پر پٹخا۔ عُمرو دوڑا ہُوا آیا اور اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر اپنے لشکر میں لے گیا۔

حادِیس اور اس کی فوج نے جب دیکھا کہ استفتا نوش اور صَدَف نوش دونوں گرفتار ہو گئے ہیں تو اُس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ایسی بھگدڑ مچی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور جس کا جِدھر مُنہ اُٹھا، بھاگ نِکلا۔ مقبل وفادار اور عُمرو نے فتح کے نقّارے بجوائے اور امیر حمزہ کے لشکری ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔

شام کے وقت امیر حمزہ نے استفتا نوش اور صَدَف نوش کو اپنے پاس بُلوایا۔ عُمرو نے فوراً انہیں حاضر کیا۔ اُن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ حمزہ نے پوچھا۔

"کہو، کیا حال ہے؟ مُجھ سے لڑنے میں تمھیں کچھ لُطف آیا؟"

”بے شک۔۔۔۔“استفتانوش نے جواب دیا۔”آپ بہادر شخص ہیں۔“

”تُم بھی بہادر اور نڈر ہو۔“امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُن کر دونوں بھائی بے حد خوش ہوئے۔ کہنے لگے۔”ہم ہمیشہ کے لیے آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔“

امیر حمزہ نے انہیں گلے لگایا اور اُن کو آزاد کر کے سونے کی کرسیوں پر اپنے پاس بٹھایا۔ حمزہ نے استفتانوش سے پوچھا۔”اب حادِیس کیا کرے گا؟“

”وُہ کُچھ نہیں کر سکتا۔ اُسے ہماری طاقت پر بھروسا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ عنقریب آپ کے قدموں میں آن گرے گا۔“استفتانوش نے جواب دیا۔

اِدھر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدھر حادِیس اپنی نئی سرگرمیوں میں لگا ہوا تھا۔

ایک مکّار اور عیّار وزیر نے حادِیس کو مشورہ دیا کہ رات کی تاریکی میں میدانِ جنگ میں سات کنویں کھُدوائے جائیں اور اُن کے اُوپر پتلا بانس اور کیچڑ پھیلا

کر مٹّی چھڑک دی جائے۔ حمزہ میدان میں آئے تو اُسے اِن کنوؤں کی طرف لے آؤ۔ وُہ کسی نہ کسی کنویں میں گر پڑے گا۔ جونہی حمزہ کنویں میں گرے، اپنے لشکر کو حکم دو کہ مٹّی سے اِس کنویں کر پاٹ دے۔ اِس طرح حمزہ کا قصّہ پاک ہو جائے گا۔

حادِیس نے ایسا ہی کیا۔ راتوں رات بہت سے مزدور لگا کر سات گہرے کنویں کھدوا دیے اور ان کے مُنہ بانس، کیچڑ اور مٹّی سے ڈھانپ دیے۔ پھر قلعے سے اپنے بچے کھُچے لشکر کو لے کر باہر آیا اور زور زور سے پکارنے لگا۔

"اے حمزہ، اگر تو بہادر ہے اور لڑنا چاہتا ہے تو میدان میں نِکل اور مُجھ سے مقابلہ کر۔"

امیر حمزہ نے حادِیس کو دیکھا اور اُس کی یہ للکار سُنی تو استفتا نوش سے کہنے لگے۔

"بھائی، تُم تو کہتے تھے کہ حادِیس میرے قدموں میں آن گرے گا۔ وُہ تو مجھے

لڑائی کے لیے للکار رہا ہے۔"

استفتانوش نے اُسی وقت تلوار سونت لی اور ارادہ کیا کہ حادِیس کا سر تَن سے جدا کرے کہ امیر حمزہ نے اُسے روکا اور کہا۔ "ٹھہرو، حادِیس نے مُجھے مقابلے میں آنے کی دعوت دی ہے اور اگر میں نہ گیا تو لوگ کہیں گے کہ حمزہ ڈر گیا۔"

یہ کہہ کر وُہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدانِ جنگ میں آئے۔ حادِیس نے اپنے گھوڑے کو کنویں کی طرف بھگایا۔ امیر حمزہ نے اس کا پیچھا کیا۔ اچانک اُنہیں ایک کنواں دکھائی دیا۔ اُنہوں نے گھوڑے کو چابک مارا، گھوڑے نے جست لی اور کنواں پار کر گیا۔ اُس کے بعد دوسرا کنواں آیا۔ وُہ بھی پار کیا۔ غرض اِسی طرح سیاہ قیطاس نے چھ کنویں پار کیے۔ مگر ساتویں کنویں سے اس کے پچھلے پیر ٹکرائے۔ گھوڑا لڑکھڑا کر گرا اور اس کے گرتے ہی امیر حمزہ کنویں میں جا پڑے۔ حادِیس کے سپاہیوں نے کنویں کے کنارے خنجر، تلواریں اور کٹار گاڑ دیے اور اس کے اندر مٹّی ڈالنے لگے۔

امیر حمزہ نے کنویں میں گرتے ہی ڈھال نکال کر سر پر رکھ لی اور اُوپر سے آنے والی مٹّی اس ڈھال پر روکتے رہے۔ حادِیس بھاگ کر قلعے میں گیا اور وہاں سے تیر چھوڑنے لگا۔ اُس نے قلعے کے گرد کھدی ہوئی خندقوں میں پانی بھروادیا تاکہ کوئی شخص قلعے میں داخل نہ ہونے پائے۔

اتّفاق ایسا ہُوا کہ یہ ساتواں کُنواں قلعے کے بالکل نزدیک تھا۔ امیر حمزہ نے اندر ہی اندر اپنے خنجر سے سُرنگ کھودنی شروع کی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد یہ سُرنگ خاصی بڑی ہوگئی، اور امیر حمزہ اس کے ذریعے قلعے کے اندر چلے گئے۔ اتنے میں عُمرو عیّار بھی لڑتا بھڑتا آیا اور اسی کنویں میں کودا اور سُرنگ میں داخل ہو کر حادِیس کے محل میں آگیا۔ امیر حمزہ نے عُمرو کو دیکھا تو حیران ہوئے۔ کہنے لگے "تو یہاں کیوں کر آیا؟"

"آپ کی محبّت کھینچ لائی۔" عُمرو نے جواب دیا۔ "آپ یہیں ٹھہریے۔ میں حادِیس کو گھیر کر لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے جادُو کے زور سے اپنی شکل صَدَف نوش کی سی بنائی۔

حادِیس کے پاس پہنچا اور نعرہ مار کر کہا۔

"اے چچا، خوش ہو جا کہ میں نے بے وقوف استفتا نوش اور حمزہ دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔"

یہ سُن کر حادِیس خوشی کے مارے ناچنے لگا اور عُمرو کو گلے سے لگا لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ عُمرو نے اسے اِس زور سے بھینچا کہ ہڈّیاں پسلیاں کڑکڑا گئیں اور حادِیس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

آخر امیر حمزہ نے آ کر اُس کو چھڑُایا، مُشکیں کَسیں اور قلعے سے باہر لائے۔ استفتا نوش اور صَدَف نوش وہاں موجود تھے۔ حادِیس کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عُمرو کو دیکھتا، کبھی صَدَف نوش کو۔ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اِن میں سے اصلی صَدَف نوش کون سا ہے۔ تب عُمرو اپنی اصل شکل میں آیا۔ حادِیس اُسے بُرا بھلا کہنے لگا۔ استفتا نوش نے اُسی وقت تلوار نکال کر اس کا سر قلم کیا۔

قیصرِ رُوم سے جنگ

حادِیس کے غُرور کا قلعہ تہس نہس کرنے کے بعد امیر حمزہ نے ملک رُوم کی جانب اپنے گھوڑے کی باگ موڑی۔ رُوم کی سلطنت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں رومیوں کی ہیبت سے کانپتی تھیں۔ ایرانیوں سے رومیوں کی اکثر جنگ ہُوا کرتی۔ کبھی ایرانی جیت جاتے اور کبھی رومی۔

جن دنوں امیر حمزہ نے رُوم پر چڑھائی کی اُن دِنوں رومی سلطنت نوشیرواں شہنشاہ ایران کو خراج ادا کرتی تھی۔ مگر جوں ہی رُوم کے بادشاہ تک، جو قیصر کہلاتا تھا، یہ خبریں پہنچیں کہ بہت سی حکومتوں نے نوشیرواں کو خراج ادا کرنا بند کر دیا ہے، اُس نے بھی ہاتھ روک لیا اور نوشیرواں کو کہلا بھیجا کہ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو رُوم کا رخ ہر گز نہ کیجو، ورنہ مارا جائے گا۔ قیصر نے تین سال

سے نہ صرف خراج ادا نہیں کیا تھا بلکہ اندر ہی اندر وُہ نوشیرواں سے جنگ کرنے کی تیّاریاں بھی کر رہا تھا۔

اب اُس نے امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُنی تو حیران بھی ہُوا اور خوف زرہ بھی۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ امیر حمزہ عرب کا ایک نامور پہلوان ہے جس کی قوّت اور شجاعت کے سامنے آج تک کوئی پہلوان ٹھہر نہیں سکا۔ ہندوستان کے بادشاہ لِندھور، چین کے بادشاہ شاہ بہرام، اور یونان کے استفتا نوش اور صَدَف نوش جیسے پہلوانوں اور بہادروں کو وُہ شکست دے چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اِس سے لڑنے کے بجائے صلح صفائی کر لی جائے۔

قیصرِ رُوم کو اپنی طاقت پہ بڑا غرور تھا۔ وُہ صلح کی یہ تجویز سُن کر سخت ناراض ہُوا اور چلّا کر بولا۔

"اگر آئندہ کِسی شخص نے اپنی ناپاک زبان سے ایسی بات نکالی تو اُسے زمین میں گاڑ کر تیروں سے چھلنی کرا دوں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی فوج کے سپہ سالار اسقِلان پہلوان کو بُلوایا اور حکم دیا کہ دشمن سے جنگ کی جائے۔ اسقِلان نے فوج کو ترتیب دیا اور میدانِ جنگ میں لے آیا۔ اِس دوران میں امیر حمزہ نے قیصرِ رُوم کے نام ایک خط لکھا کہ اگر خراج ادا نہ کیا تو تیرا ایسا بُرا حشر کروں گا کہ جو دیکھے، وُہ کان پکڑے۔ امیر حمزہ نے عُمرو عیّار سے کہا۔

"تُم یہ خط لے کر قیصرِ رُوم کے دربار میں جاؤ اور جواب لے کر آؤ۔"

عُمرو شہر میں داخل ہُوا تو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ سے قیصر کے محل میں پہنچا دیا۔ عُمرو عیّار بڑی شان سے دربار میں پہنچا۔ رسم کے مطابق اُس نے قیصر کو جھُک کر سات سلام بھی نہ کیے بلکہ تخت کے پاس جا کر امیر حمزہ کا خط اُس کی جانب بڑھا دیا۔ عُمرو کی اِس گستاخی پر قیصرِ رُوم اور اُس کے درباریوں کا خون کھول گیا۔

ایک دو سرداروں نے تو تلواریں بھی نکال لیں تا کہ عُمرو کا سر قلم کریں مگر قیصر نے ہاتھ کے اشارے سے اُنہیں روکا اور امیر حمزہ کا خط اپنے وزیرِ اعظم کو

دیا کہ بُلند آواز سے پڑھ کر سُنائے۔

وزیرِ اعظم نے ابھی چند جُملے ہی پڑھے تھے کہ قیصر نے جھلّا کر وُہ خط اُس کے ہاتھ سے چھینا اور پُرزے پُرزے کر دیا۔ پھر غرور سے کہا۔

"یہاں سے دفان ہو جاؤ اور اپنے آقا سے کہو کہ میں جلد ہی اُسے اِس بد تمیزی کا مزہ چکھاؤں گا۔"

یہ سُن کر عُمرو کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ خنجر نکال کر قیصر کی طرف بڑھا اور کہنے لگا۔

"تو نے میرے آقا کا خط پھاڑا ہے۔ اُس کی سزا یہ ہے کہ میں تیرا پیٹ پھاڑوں۔" اس نے چیتے کی طرح تڑپ کر قیصر پر وار کیا اور تڑپ کر قیصر پر وار کیا اور قریب تھا کہ قیصر جہنّم رسید ہو کہ وزیرِ اعظم نے لات مار کر بادشاہ کو تخت سے نیچے گرا دیا اور یوں اُس کی جان بچ گئی۔

یہ حادثہ اتنا اچانک ہوا کہ درباریوں، فوجی سپاہیوں اور محافظوں پر سکتے کا عالم

طاری ہو گیا۔ پھر یک لخت کسی نے چیخ کر کہا۔

"پکڑ لو اِس بد معاش کو اور اِس کی تکّا بوٹی کر ڈالو۔"

چاروں طرف سے عُمرو پر دشمنوں نے یلغار کی مگر وُہ تو بجلی بنا ہُوا تھا۔ بھلا اُن کے قابو میں کیوں کر آتا۔ ہرن کی طرح قُلانچیں اور چوکڑیاں بھرتا ہُوا محل میں گھومنے لگا۔ وُہ کِسی کے ہاتھ نہ آتا تھا۔ بلکہ موقع ملتا تو کِسی نہ کِسی کو خنجر مار کر ہلاک کر دیتا۔ آخر قیصر نے جھنجھلا کر حکم دیا۔

"اس بھُوت کو محل سے باہر نکل جانے دیا جائے، ورنہ یہ سب کو مار ڈالے گا۔"

تب عُمرو ایک جگہ رُکا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

"اے بادشاہ، اِسی سے تجھے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ امیر حمزہ کا ایک ادنیٰ غلام تیرے آدمیوں کی یہ گت بنا سکتا ہے تو اُس کا آقا کیسا ہو گا۔ اب بھی کچھ نہیں بِگڑا۔ اپنا سر امیر حمزہ کے قدموں پر رکھ دے۔ وُہ تجھے معاف کر دیں گے۔"

یہ سُن کر قیصرِ رُوم سوچ میں پڑ گیا۔ اب اُسے امیر حمزہ اور عُمرو عیار خوف ناک دیوؤں کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک اسقِلان سپہ سالار نے آن کر عرض کی کہ فوجیں میدانِ جنگ میں جارہی ہیں اور اب بادشاہ کے نئے حکم کا انتظار ہے۔ قیصرِ روم نے عُمرو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اسقِلان، اِس شخص نے ہمیں بہت دیر سے پریشان کر رکھا ہے۔ یہ امیر حمزہ کا ایلچی ہے اور ہمارے کئی افسروں کو ہلاک کر چکا ہے۔ کِسی طرح اِسے گرفتار کرو۔"

اسقِلان نے تعجّب کی نظر سے عُمرو کو دیکھا پھر اُس کے جسم پر لرزہ ساطاری ہو گیا۔ ہکلا کر عُمرو سے پوچھا۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا تمہارا ہی نام عُمرو عیّار ہے؟"

"خوب پہچانا۔" عُمرو نے ہنس کر کہا۔ "بولو کیا ارادہ ہے؟ مجھے پکڑنا چاہتے ہو؟" اسقِلان کی گِھگھی بندھ گئی تھی۔ گھبرا کر قیصر سے کہنے لگا۔

"حُضور، اِسے پکڑنا کِسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ میں نے اس کے کارنامے سُنے ہیں۔ یہ شخص آفت کا پرکالا ہے اور امیر حمزہ کے جان نثار دوستوں میں سے ایک ہے۔" پھر اُس نے عُمرو سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ تُم اپنے لشکر میں چلے جاؤ ورنہ میں امیر حمزہ سے کہوں گا کہ کِسی شریف آدمی کو بادشاہ کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا کریں۔"

"مُجھ سے زیادہ شریف امیر حمزہ کے لشکر میں کوئی اور نہیں ہے۔" عُمرو نے پھر قہقہہ لگایا اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ اُس کے جانے کے بعد سب کی جان میں جان آئی۔

عُمرو نے اپنے لشکر میں جا کہ سارا قصّہ مزے لے لے کر سُنایا۔ امیر حمزہ، لِندھور، مقبل وفادار، عادی، سلطان بخت مغربی، استفتانوش اور صَدَف نوش سب بے حد ہنسے اور عُمرو کی پیٹھ ٹھونکی۔

قیصرِ رُوم واقعی بہت بڑی فوج کا مالک تھا۔ ساری رات اُس کی فوجیں میدانِ جنگ میں پہنچ کر صفیں باندھتی رہیں۔ اور جب آخری سپاہی بھی اپنی جگہ جم

کر کھڑا ہو گیا تب قیصرِ رُوم قلعے سے باہر آیا اور لڑائی کا نقّارہ خُوب زور شور سے بجوایا۔

امیر حمزہ کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ قیصر کے سپاہیوں کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ اب ہماری جانب سے بھی طبلِ جنگ بجوایا جائے۔ اُنہوں نے لشکر کے سرداروں کو ہدایت کی کہ اپنی اپنی فوج کے ساتھ میدان میں مورچے سنبھال لیں۔ ہم بھی ہتھیار باندھ کر آتے ہیں۔

جب دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے لڑائی کے لیے مستعد ہوئیں اور سپاہیوں نے حلق پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگانے شروع کیے تب نقیبوں کا ایک دستہ ایک جانب سے نکلا اور انہوں نے پکار کر کہا۔ ”کون جواں مرد ہے جو میدان میں آکر بہادری کے جوہر دکھائے اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے؟“

یہ پُکار سُن کہ قیصرِ رُوم کے لشکر سے اسقِلان گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور میدان کے بیچ میں آکر نعرہ لگایا۔ ”جس کی موت کی آرزو ہے وُہ سامنے آئے۔“

استفتانوش نے اسقِلان کو دیکھا اور ہنسا۔ پھر امیر حمزہ سے کہا۔ ”اجازت ہو تو میں اسقِلان سے دو دو ہاتھ کروں۔“

امیر حمزہ نے اشارے سے استفتانوش کو اجازت دی اور وُہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہُوا اسقِلان کے مقابل جا پہنچا۔ اسقِلان نے اپنے سامنے استفتانوش کو موجود پایا تو حقارت سے کہنے لگا۔

”میں تو تجھے بڑا بہادر سمجھتا تھا، لیکن اب پتا چلا کہ تو بزدِل ہے۔ بھلا یہ تو بتا کہ تُو نے اپنے چچا کو کیوں مارا اور ایک معمولی عرب کی غلامی کیوں قبول کی؟“

”میرا چچا بُزدِل اور مکّار تھا۔ اس لیے میں نے اُسے مارا۔“ استفتانوش نے جواب دیا ”اور حمزہ کی غلامی اِس لیے قبول کی کہ اِس وقت روئے زمین پر اِس سے بڑا پہلوان کوئی اور نہیں۔“

”افسوس۔۔۔ صد افسوس کہ تُو نے اپنے باپ دادا کے نام کو بٹّا لگایا۔“ اسقِلان نے کہا۔

"خیر جو کچھ بھی ہُوا، ٹھیک ہُوا۔ اب یہ بتا کہ تُو یہاں لڑنے آیا ہے یا باتیں بنانے؟" استفتانوش نے گرز گھُما کر پُوچھا۔ تب اسقِلان نے بھی اپنا گرز سنبھالا اور ایسی خون ناک جنگ شروع ہوئی کہ دونوں لشکروں کے سپاہی عش عش کر اُٹھے۔ لیکن اِن بہادُر پہلوانوں میں سے کوئی بھی جیت نہ سکا۔ آخر سورج غروب ہُوا اور لڑائی بند ہوئی۔

اگلے روز میدان میں پھر وہی منظر تھا۔ اسقِلان سپہ سالار جوش سے بھرا ہُوا سامنے آیا۔ استفتانوش پھر اُس کے مقابلے میں جانا چاہتا تھا کہ اسقِلان نے نعرہ لگایا۔

"حمزہ میدان میں نکلے۔ وُہ کہاں چھُپا ہُوا ہے؟"

سُن کر امیر حمزہ نے استفتانوش کو روکا۔ پیغمبروں کے مقدس ہتھیار باندھ کر سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے اور اپنی فوجوں کی سلامی لیتے ہوئے میدانِ جنگ میں اُترے۔ اسقِلان ایک بھاری بھرکم اور سیاہ فام پہلوان تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ حمزہ کسی دیو کے برابر ہو گا اور طاقت میں ہاتھی سے بھی زیادہ۔۔۔ مگر جب

اُس نے ایک معمولی قد کے ایک خوب صورت عرب جوان کو اپنے سامنے پایا تو حیران ہو کر چلّایا۔

"اے بد نصیب جوان، تو کون ہے اور کیوں اپنی قضا کی تلاش میں آیا ہے۔ واپس چلا جا اور حمزہ کو میدان میں بھیج کہ میں اُسی سے دو دو ہاتھ کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"میں ہی حمزہ ہوں۔" امیر حمزہ نے مُسکرا کر جواب دیا۔

اسقِلان کی آنکھیں حیرت سے باہر آ گئیں۔ وہ چند لمحے تک امیر حمزہ کو گھورتا رہا پھر کہنے لگا۔

"قسم ہے پیدا کرنے والے کی، مجھے یقین نہیں آتا تُو ہی وُہ نامور پہلوان ہے جس نے تمام دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ شاید تُو کوئی جادو گر ہے۔"

"میں جادو گروں پر لعنت بھیجتا ہوں۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔ "زیادہ بحث نہ کر اور ہتھیار اُٹھا۔"

یکایک عُمرو عیّار دوڑتا ہُوا امیر حمزہ کے پاس آیا اور عربی زبان میں بولا۔

"یا امیر، قیصرِ رُوم کے ساتھ دس لاکھ سوار ہیں۔ خُدا جانے اِن میں کتنے پہلوان ہیں۔ اگر آپ دو دو اور تین تین سے لڑیں رب بھی یہ لوگ قابو نہ آئیں گئے۔"

امیر حمزہ نے مشکل سے بات ختم کی تھی کہ اسقِلان نے اُنہیں بے خبر پا کر گرز سے حملہ کر دیا۔ وار ایسا زبردست تھا کہ حمزہ اپنی ڈھال پر نہ روکتے تو کھوپڑی کے ہزارہ ٹکڑے ہو جاتے۔ اسقِلان کا گرز جب حمزہ کی ڈھال پر پڑا تو اس میں سے چنگاریاں اُڑیں اور بڑا زبردست دھماکا ہُوا۔ اس موقع پر عجیب تماشا ہُوا۔ امیر حمزہ کی ڈھال سے آگ کی جو چنگاریاں اُڑیں، اُن میں سے ایک چنگاری اسقِلان کی آنکھ میں پڑی اور وُہ تکلیف سے چلّا اُٹھا۔ امیر حمزہ نے اُسی وقت اپنا گھوڑا بڑھا کر اسقِلان کی کمر پکڑی اور اُس کے گھوڑے کو اِس زور کی لات ماری کہ وُہ بیس قدم دُور جا گرا۔ پھر حمزہ نے نعرہ مار کر اسقِلان کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ عُمرو بھاگا بھاگا آیا اور اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر

اپنے لشکر میں لے گیا۔

اسقِلان سپہ سالار کے چھوٹے بھائی کا نام بھی اسقِلان تھا۔ جب اُس نے بڑے بھائی کو یوں بے کسی کے عالم میں عُمرو عیّار کے ہاتھوں بند ھتے دیکھا تو تلوار کھینچی اور غضب ناک ہو کر نعرے مارتا میدان میں آیا۔ امیر حمزہ نے ایسی تلوار ماری کہ اُس کے ہاتھ سے تلوار چھُٹ کر دُور جا گری۔ اور اِس سے پہلے کہ وُہ ہوشیار ہو کر کوئی اور ہتھیار اُٹھاتا، حمزہ کا گھونسا پوری شدّت سے اُس کی گردن پر پڑا۔ اسقِلان لٹّو کی طرح گھوما اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ عُمرو

نے جھٹ پٹ اُسے بھی باندھا اور گھسیٹتا ہُوا اپنے لشکر میں لے گیا۔

قیصرِ رُوم ایک اُونچے ٹیلے پر کھڑا یہ سب کاروائی دیکھ رہا تھا۔ اسقِلان بھائیوں کی پٹائی اور گرفتاری کے بعد اُس نے اپنی ٹڈّی دَل فوج کو حکم دیا کہ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ حکم کی دیر تھی کہ دس لاکھ رومی سپاہی تلواریں چمکاتے ہوئے امیر حمزہ کے لشکر پر آن گرے۔ ایسی گھُمسان کی جنگ ہوئی کہ میدانِ جنگ خُون سے سُرخ ہو گیا۔ ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی

آواز، زخمیوں کا شور غل اور سپاہیوں کے دِل ہلا دینے والے نعروں سے میدانِ جنگ قیامت کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ امیر حمزہ کے سپاہیوں ایسی جی داری سے رومیوں کا مقابلہ کیا کہ اُن کے چھکّے چھُوٹ گئے۔

امیر حمزہ دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھامے دشمن کے لشکر میں یوں پھر رہے تھے، جیسے بکریوں کے ریوڑ میں شیر۔۔۔ دائیں بائیں آگے پیچھے اُن کی تلوار برابر چل رہی تھی اور جس پر پڑتی اُسے خون میں نہلائے بغیر نہ چھوڑا۔ آن کی آن میں انہوں نے کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ اُدھر لِندھور، استفتانوش، صَدَف نوش، عادی پہلوان، مقبل وفادار، شہ پال ہندی کے بیٹوں اور سلطان بخت مغربی نے اِس کثرت سے رومیوں کو تہس نہس کیا کہ دس لاکھ میں سے پانچ لاکھ آدمی شام تک مارے جا چکے تھے اور باقی بھاگنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ مگر قیصرِ رُوم بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا۔

یکایک عادی پہلوان کی نظر قیصر پر پڑی۔ دِل میں کہنے لگا اس مُوذی کو جب تک گرفتار نہ کروں گا، اس وقت تک جنگ بند نہ ہو گی۔ وہ صفوں پر صفیں

کاٹتا آخر قیصرِ روم کے قریب جا پہنچا۔ بڑے بڑے شہ زور رومی پہلوانوں اور جنگ جُو سپاہیوں نے اپنے بادشاہ کو گھیرے میں لے لیا مگر عادی نے سب کو اُٹھا اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ آخر قیصر اکیلا رہ گیا۔ تب عادی نے اُسے اپنی رسّی سے باندھا اور گھسیٹتا ہُوا امیر حمزہ کے پاس لے کر آیا۔ قیصر کی گرفتاری پر حمزہ نے عادی کو ایک قیمتی انگوٹھی انعام میں دی اور حکم جاری کیا کہ کل دس گائیں بھُون کر عادی کو کھلائی جائیں۔

اپنے بادشاہ کی گرفتاری کے بعد بچی کھُچی رومی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ امیر حمزہ نے بھی لڑائی بند کی اور فتح کا نقّارہ بجوایا۔ پھر وُہ اپنے خیمے میں واپس آئے اور قیصرِ رُوم کو طلب کیا۔

"اے بادشاہ، تُو نے دیکھا کہ خُدا نے تیرے غُرور اور طاقت کے نشے کو کس طرح توڑا۔ اب بول تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اگر تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دین پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو تجھے آزاد کر دوں گا۔"

"میں حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لاتا ہوں۔" قیصر نے کہا۔ اُس کے ساتھ جتنے

رومی سپاہی گرفتار ہوئے تھے وُہ بھی سب کے سب دینِ ابراہیمی پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد امیر حمزہ نے اسے خلعت پہنا کر اپنے برابر بٹھایا اور بڑی عزّت کی۔ قیصرِ رُوم نے تین سال کا خراج ادا کیا اور آئندہ کے لیے نوشیرواں کا وفادار رہنے کا عہد کیا۔

امیر حمزہ نے ایک ایلچی کو حکم دیا "رُوم اور یونان کا تین سالہ خراج لے کر نوشیرواں کے پاس مدائن جاؤ۔ میں خود مِصر کی جانب کُوچ کرتا ہوں۔"

وُہ ایلچی اُسی وقت چند آدمیوں کو ساتھ لے کر تیزی سے مدائن کی جانب چلا۔ دو ماہ بعد وہاں پہنچا اور نوشیرواں کو سب حال کہہ سُنایا۔

اِدھر حمزہ نے قیصرِ رُوم کو حکومت واپس کی مگر اُس کے سپہ سالار اسقِلان کو اپنے ساتھ مِصر کی مہم پر چلنے کا حکم دیا۔ وُہ دن رات تیزی سے سفر کرتے اور منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے مِصر کی طرف بڑھے اور مہینوں کا راستہ دِنوں میں طے کرتے ہوئے آخر ایک دن دوپہر کو دریائے نیل کے کنارے ڈیرے ڈال دیے۔ نیل ملکِ مِصر کا مشہور دریا ہے۔

مِصر کے بادشاہ کو عزیزِ مِصر کہتے تھے۔ جاسوسوں نے قیصرِ رُوم کی شکست اور امیر حمزہ کے آنے کی خبر اُسے سُنائی تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ اُسے کِسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ ایک معمولی عرب نوجوان دنیا کی عظیم الشّان رومی سلطنت کو کیوں کر شکست دے سکتا ہے۔

اس نے فوراً اپنے امیروں، وزیروں اور فوجی سرداروں کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ امیر حمزہ سے جنگ کرنا حماقت ہے۔ اُسے کبھی شکست نہیں دی جا سکتی۔ البتّہ یہ ممکن ہے کہ دھوکہ اور فریب سے اُس پر قابُو پایا جائے۔ آخر یہ فیصلہ ہُوا کہ امیر حمزہ کی ظاہر میں اطاعت قبول کر لی جائے اور پھر کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملا کر اُنہیں اور اُن کے ساتھیوں کو بے ہوش کر دیا جائے۔ اُس کے بعد جو سلوک مناسب ہو اُن سے کیا جائے۔

حَلب کا قید خانہ

عزیزِ مِصر نے امیر حمزہ کو ایلچیوں کے ذریعے اطاعت کا پیغام بھیجا اور پھر خُود بھی اپنے وزیروں اور امیروں سمیت اُن کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اُس نے امیر کے قدموں کو بوسہ دیا۔ لِندھور اور عادی پہلوان کے ہاتھ چُومے، عُمرو عیّار کو خوش کرنے کے لیے اشرفیوں کی ایک ہزار تھیلیاں اُسے عنایت کیں۔ اس طرح استفتانوش، صَدَف نوش اور دوسرے پہلوانوں کو بھی تحفے تحائف دے کر خوش کر دیا۔ امیر حمزہ عزیزِ مِصر کا اخلاق دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وُہ بار بار کہتا تھا۔

"حضُور، میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ یہ سلطنت کیا چیز ہے، کہیے تو ساری دنیا آپ پر قربان کر دوں۔"

انسان خوشامد اور تعریف کی باتیں پسند کرتا ہے۔ امیر حمزہ میں بھی یہ کم زوری تھی۔ عزیزِ مِصر نے خوشامد اور تعریف کا ایسا جال بچھایا کہ امیر اُس میں پھنس گئے اور اُنہوں نے عزیز، مِصر کی یہ درخواست قبول کر لی کہ شام کو دعوت میں شریک ہوں گے۔

اُدھر عزیزِ مِصر نے اپنے محل میں دعوت کا شان دار انتظام کیا، اور امیر حمزہ نے لشکر کی نگرانی کے لیے استفتانوش اور صَدَف نوش کو چھوڑا اور خود تمام دوستوں کو لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے نعروں سے اُن کا استقبال کیا اور سب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ شہر میں چراغاں کیا گیا تھا اور گلی کوچوں میں ایسا ہجوم تھا کہ کھوّے سے کھوّا چھِلتا تھا۔

عزیزِ مِصر اپنے امیروں اور وزیروں سمیت امیر حمزہ کے استقبال کے لیے محل کے دروازے پر موجود تھا۔ وُہ مہمانوں کو نہایت عزّت سے محل میں لے گیا اور دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ غلاموں نے آناً فاناً ہزار ہا قسم کے کھانے دستر خوان پر سجا دیے۔ عادی پہلوان کی آنکھیں خُوشی سے چمکنے لگیں اور مُنہ

میں پانی بھر آیا۔ اُس نے خوب بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارے اور دیکھتے دیکھتے دستر خوان پر جھاڑو پھیر دی۔ عادی کی یہ خوراک دیکھ کر عزیزِ مِصر اور اس کے درباریوں کے ہوش اُڑ گئے۔ جلدی جلدی چند بکرے بنوا کر اُس کے آگے رکھے اور عادی اُنہیں بھی چَٹ کر گیا۔ اس پر بھی اُس کا پیٹ اچھّی طرح نہیں بھر اتھا اور وُہ اور کھانا مانگنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ امیر حمزہ نے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔ تب عادی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ایک ایسی زبر دست ڈکار لی کہ محل کے بُرج پر بیٹھے ہوئے بے شمار جنگلی کبوتر ڈر کر اُڑ گئے۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو پھلوں کی باری آئی۔ پھر خوشبودار شربت سے بھری ہوئی بڑی بڑی بلّور کی صراحیاں اور شیشے کے پیالے لائے گئے۔ اسی شربت میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی تھی۔ عزیزِ مِصر نے اپنے ہاتھ سے پیالے بھر بھر کر مہمانوں کو دینے شروع کیے۔ عادی پہلوان کی پیاس بھلا ایک پیالے سے کیا بجھتی۔ اُس نے اوپر تلے دس بارہ صراحیاں چڑھا لیں اور انٹا غفیل ہو گیا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اُس نے لِندھور سے کہا۔

”ایسا مزے دار شربت زندگی بھر نہیں پیا تھا۔ مگر بھائی دیکھنا، اِس کمرے کی چھت کیوں گھوم رہی ہے؟“

لِندھور نے بھی جی بھر کے شربت پیا تھا اور اُس کی حالت بھی عادی سے کچھ مختلف نہ تھی۔ اُس نے گردن اونچی کر کے چھت کو دیکھا اور دونوں ہاتھ یوں اُوپر اُٹھا دیے جیسے گھُومتی ہوئی چھت کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر وُہ بے ہوش ہو گیا۔ عادی بھی ایک طرف اوندھے مُنہ پڑا تھا۔

اس وقت امیر حمزہ اور عمرو عیّار کچھ کچھ ہوش میں تھے۔ مگر اُن کے ہاتھ پیر سُن ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر میں سلطان بخت مغربی، شہ پال ہندی کے بیٹے اور عادی کے تمام بھائی بھی لمبے لمبے لیٹ گئے۔ تب امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا۔

”آج ہم مارے گئے۔ عزیزِ مصر نے شربت میں کچھ مِلا دیا ہے۔“

یہ سُن کہ عزیزِ مصر پر خوف طاری ہُوا۔ وُہ اُٹھ کر بھاگا تو عُمرو نے اُسے پکڑنا چاہا

مگر فوراً ہی غش کھا کر گر پڑا۔ حمزہ اپنی جگہ بے حرکت بیٹھے تھے اور حیرت سے ہر طرف دیکھتے تھے۔ عزیزِ مصر کے طبیبوں اور حکیموں نے کہا۔

"عجیب بات ہے کہ حمزہ بے ہوش نہیں ہُوا۔ اس کے جسم کو ہلایا جائے تب بے ہوش ہُو گا۔"

چند غلام آگے بڑھے۔ امیر حمزہ نے اپنا خنجر نکال کر چاہا کہ ان کو ماریں کہ ایک دم فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ اسی وقت غلاموں اور سپاہیوں نے اُن کی اور اُن کے تمام ساتھیوں کی مُشکیں کس لیں اور راتوں رات ایک جہاز میں سوار کرا کے حلب شہر کے قید خانے میں پہنچا دیا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر عزیزِ مصر نے نوشیرواں کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

"میں نے امیر حمزہ اور اُس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے حلب کے قید خانے میں بند کر دیا ہے۔ اب فرمایئے آئندہ کے لیے کیا حکم ہے؟ مَیں نے ان سب کو شربت میں دوائے بے ہوشی مِلا کر دی تھی اور وہ تین دن تک بے ہوش پڑے رہیں گے۔"

آپ کا تابع دار

عزیزِ مصر

ایک تیز رفتار قاصد یہ خط لے کر مدائن پہنچا اور آدھی رات کے وقت نوشیر واں کے محل میں داخل ہُوا۔ بادشاہ اُس وقت سو رہا تھا۔ کنیزوں نے اُس کو بیدار کیا اور عزیزِ مصر کا خط دیا۔ نوشیر واں نے خط پڑھا اور حکم دیا کہ بختک اور بزُرجمہر وزیرِ اعظم کو حاضر کیا جائے۔ تھوڑی دیر کے اندر اندر وُہ دونوں نوشیر واں کے پاس رہ گئے۔ بادشاہ نے ان کو یہ خط دکھایا اور مشورہ طلب کیا۔ بختک دِل میں بے حد خوش تھا۔ کہنے لگا۔

"حضُور، آپ عزیزِ مصر کو حکم دیجئے کہ حمزہ اور اُس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مدائن روانہ کر دے۔"

"آپ کی کیا رائے ہے؟" بادشاہ نے بزُرجمہر سے پوچھا۔ بزُرجمہر کے ہونٹوں پر ایک پر اسرار مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

”جہاں پناہ کا اقبال بُلند ہو۔ مَیں نے حمزہ کے بارے میں نجوم سے حساب لگایا ہے۔ اُس کی عُمر ایک سو پچانوے برس ہے۔ اس لیے کوئی شخص اُس کو مار نہیں سکتا۔ ممکن ہے آپ کا خط پہنچنے سے پہلے ہی وُہ آزاد ہو جائے۔ اگر یہ خط اُس نے دیکھ لیا تو وُہ آپ کا دشمن ہو جائے گا۔“

بزُرجمہر کی یہ باتیں سُن کر بادشاہ دِل میں بے حد ڈرا۔ آخر اُس نے بختک اور بزُرجمہر دونوں کو رخصت کیا اور بعد میں ایک قاصد کے ذریعے عزیزِ مِصر کو یہ پیغام بھجوایا کہ حمزہ اور اُس کے دوستوں کو حفاظت سے اپنے پاس رکھو۔ خبر دار، انہیں ذرا بھی رنج یا تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ میں چند روز تک خود مِصر میں آتا ہوں اور حمزہ کو اپنی موجودگی میں جو سزا دینا چاہوں گا، دوں گا۔ عزیزِ مِصر کو یہ خط مِلا تو اُس نے حلب کے حاکم کو حکم دیا کہ امیر حمزہ اور اُس کے ساتھیوں کو آرام سے رکھا جائے۔ اُنہیں کِسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

مُقبِل وفادار اُنہی دِنوں مدائن سے واپس مِصر کی جانب آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے خبر ملی کہ عزیزِ مِصر نے امیر حمزہ اور لندھور وغیرہ کو شربت میں دوائے

بے ہوشی پلا کر حلب کے قید خانے میں بند کر دیا ہے۔ وہ دِن رات منزلیں مارتا ہُوا مِصر کی سرحد کے قریب پہنچا تو پتا چلا کہ لشکر کی نگرانی استفتانوش اور صَدَف نوش کر رہے ہیں۔ یہ دونوں بھائی امیر حمزہ کے ساتھ دعوت میں نہیں گئے تھے اسی لیے قید سے بچ گئے اور اب دشمن کی فوج سے خون ریز جنگ کر رہے ہیں۔

مُقبِل وفادار نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ آپ دُشمن کو لڑائی میں مصروف رکھیں اور میں کسی تدبیر سے حلب پہنچ کر امیر حمزہ کو قید خانے سے نکالتا ہوں۔ اُس نے سوداگر کا بھیس بدلا اور بہت سا سامان اُونٹوں پر لاد کر غلاموں کی ایک جماعت کے ساتھ حلب کی جانب روانہ ہُوا۔

حلب شہر کا حاکم عزیز مِصر کا داماد تھا۔ اگرچہ بادشاہ نے اُسے حکم دیا تھا کہ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے مگر اس شخص کو قیدیوں پر ظلم توڑنے میں مزہ آتا تھا۔ عادی پہلوان کھائے بغیر کیسے زندہ رہتا۔ حاکم نے جان بوجھ کر اُس کی خوراک میں کمی کر دی۔ آخر ایک دن عادی نے کہا۔

”کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تجھے کچّا چبا جاؤں۔ اس لیے مجھے تنگ نہ کر اور روزانہ دس بکروں کی یخنی، ایک دُنبے کا قورمہ اور من بھر روٹیاں صبح ناشتے کے لیے بھجوا دیا کر۔“

عادی کی یہ بات سُن کر حاکم نے حکم جاری کیا کہ اِس پہلوان کو دو روز تک بھُوکا رکھا جائے تا کہ اسے اس گستاخی کی سزا ملے۔ اس حاکم کی بیوی کا نام زہرہ تھا اور وُہ عزیز مِصر کی بیٹی تھی۔ اُنہی دِنوں زہرہ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک عالی شان دروازہ کھلا ہے اور اُس دروازے میں سے ایک تخت نمودار ہو کر آہستہ آہستہ زمین پر اُترا ہے۔ تخت پر ایک نورانی شکل کے بزرگ بیٹھے ہیں۔ زہرہ نے ان سے پوچھا۔

”اے بزرگ، آپ کون ہیں؟“

اُنہوں نے جواب دیا ”میرا نام ابراہیم ہے۔ میں خُدا کا پیغمبر ہوں۔ اس شہر کے فلاں بازار میں ایک شخص نے سوداگر بن کر دکان کھولی ہے۔ اُس کا نام مُقبِل وفادار ہے۔ اور وُہ امیر حمزہ کا جاں نثار دوست ہے۔ تُم جاؤ اور اُس سے

مِل کر حمزہ کو قید سے نکالنے کی تدبیر کرو۔"

اتنا کہہ کر وُہ بزرگ دوبارہ آسمان کی جانب چلے گئے اور اُن کا تخت نظر سے اوجھل ہو گیا۔ زہرہ کی آنکھ کھُلی تو اُسے یہ خواب اچھی طرح یاد تھا۔ صبح ہوتے ہی وُہ اُٹھی اور بھیس بدل کر اُسی بازار میں گئی جس کا نام حضرت ابراہیم نے خواب میں بتایا تھا۔ مُقبِل وفادار کپڑے کی دُکان کھولے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے اُسے پہچان لیا اور چُپکے سے کہنے لگی۔

"کیوں صاحب، آپ ہی کا نام مُقبِل ہے اور کیا آپ امیر حمزہ کے جاں نثار دوست ہیں؟"

یہ سُننا تھا کہ بے چارے مُقبِل کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور اتنا بدحواس ہُوا کہ جواب میں ایک لفظ بھی اُس کے مُنہ سے نہ نکل سکا۔ حیران تھا کہ اِس عورت کو کیوں کر پتا چل گیا کہ میں کپڑے کا سوداگر نہیں، امیر حمزہ کا دوست ہُوں۔

اُسے چُپ دیکھ کر زہرہ نے پھر کہا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں؟ میں زہرہ بیگم ہوں۔ حلب کے حاکم کی بیوی اور عزیزِ مِصر کی بیٹی۔"

اب تو مقبل وفادار کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ سمجھ گیا کہ زہرہ بیگم کی شکل میں قضا آئی ہے۔ خیر، اب راز فاش ہو ہی چُکا ہے، ہمّت سے کام لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر مُقبِل نے کہا۔

"آپ درست فرماتی ہیں۔ میرا نام مُقبِل ہے۔"

تب زہرہ نے اُسے زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنا خواب کہہ سُنایا۔ مُقبِل یہ سُن کر بے حد خوش ہُوا۔ زہرہ کہنے لگی۔

"آپ بالکل فِکر نہ کیجیے۔ آدھی رات کے وقت اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر قید خانے کی عمارت کے نزدیک پہنچ جایئے۔ میں خود وہاں آؤں گی اور پہرے داروں سے کہہ سُن کر امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو رہا کرا دوں

گی۔"

غرض آدھی رات ہوئی تو مُقبِل نے اپنے غلاموں کو سیاہ کپڑے پہنائے اور تلواریں لے کر قید خانے کی طرف چلا۔ وہاں چاروں طرف فوجی پہرا لگا ہُوا تھا اور کِسی کی مجال نہ تھی کہ اندر قدم رکھتا۔ اتنے میں زہرہ ایک خوب صورت رَتھ پر بیٹھ کر آئی۔ اس کے ساتھ کئی غلام سوار تھے اور اُن کے پاس اشرفیوں کی بہت سی تھیلیاں تھیں۔

زہرہ تھوڑی دیر تک پہرے داروں اور قید خانے کے داروغہ سے کھُسر پھُسر کرتی رہی۔ پھر اُس کے غلاموں نے اشرفیوں کی تھیلیاں پہرے داروں میں تقسیم کر دیں۔ اُس کے بعد زہرہ بانو نے پکار کر کہا۔ "مُقبِل وفادار اگر یہاں موجود ہوں تو آگے آجائیں۔"

یہ سُنتے ہی مُقبِل وہاں پہنچ گیا۔ پہرے داروں نے اُسے سلام کیا اور قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔ اندر گھُپ اندھیرا تھا مُقبِل نے مشعل روشن کی اور اندر داخل ہُوا۔ اُس کے جسم پر سیاہ لباس تھا۔ ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل اور

دوسرے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار تھی۔

امیر حمزہ اور اُن کے دوست جاگتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک جلّاد سر سے پیر تک کالا لباس پہنے اور تلوار ہاتھ میں لیے چلا آتا ہے۔ عادی پہلوان چلّا اُٹھا۔

"یا حمزہ خبر دار ہو جایئے یہ مُوذی ہمیں قتل کرنے آرہا ہے۔"

امیر حمرہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اُن کے جسم کا بند بند لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا اور یہی حال دوسرے پہلوانوں کا تھا۔ یکایک عُمرو عیّار کے حلق سے خوشی کا نعرہ بُلند ہُوا۔ اس نے مُقبِل کو پہچان لیا تھا۔ مُقبِل آگے بڑھ کر حمزہ کے قدموں میں گرا اور رونے لگا۔ پھر چاہا کہ اُن کی زنجیریں کاٹے کہ حمزہ آزاد نے کہا کہ پہلے میرے ساتھیوں کو آزاد کراؤ۔ مُقبِل نے ایک ایک کر کے سب کو آزاد کر دیا۔

اتنے میں امیر حمزہ نے ایسا زور کیا کہ لوہے کی زنجیریں موم کی مانند پگھل کر

ٹوٹ گئیں اور وہ آزاد ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مُقبِل نے کہا۔

”حمزہ بھائی، تم نے پہلے اِن زنجیروں کر توڑنے کی کوشش کیوں نہ کی؟“

”کوشش تو بہت کی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ خُدا کی طرف سے آزمائش ہے اور اب دیکھ لو کہ جب یہ آزمائش ختم ہوئی تو زنجیریں خود بخود موم کی طرح نرم پڑ گئیں۔“

اسی طرح باتیں کرتے اور ایک دوسرے سے مِلتے مِلاتے سب لوگ قید خانے سے باہر آئے۔ مُقبِل نے زہرہ بیگم سے حمزہ کو مِلوایا اور بتایا کہ اِسی نیک عورت کی وجہ سے مجھے یہاں آنے کا موقع ملا ہے۔

ژوپین

قید خانے سے باہر نکل کر سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر امیر حمزہ نے زہرہ سے کہا۔

”تمہارے شوہر کو پتا چلے گا کہ تُم نے ہم لوگوں کو آزاد کر دیا ہے تو وُہ سخت ناراض ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں نقصان پہنچے۔“

یہ سُن کر زہرہ ہنسی اور کہنے لگی۔

”آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔“

یہ کہہ کر وُہ اپنے رَتھ پر بیٹھنے ہی والی تھی کہ عادی پہلوان ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”اے خاتون، خدا تجھے قیامت تک سلامت رکھے۔ جانے سے پہلے میرے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام تو کرتی جا۔ بہت دِن سے بھوکا مر رہا ہوں۔“

عادی کی یہ بات سُن کر زہرہ بے اختیار ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔

”آپ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر میرے پیچھے پیچھے محل میں آ جائیں۔“

عادی خوش ہو گیا اور یہ سب لوگ حاکمِ حلب کے محل میں پہنچے۔ زہرہ عادی کو باورچی خانے میں لے گئی۔ وہاں کئی دیگیں دودھ کی بھری رکھی تھیں۔ عادی نے جی بھر کر دودھ پیا اور پھر کھیر کے تھالوں پر ہاتھ صاف کیا۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوسرے ساتھیوں نے بھی خوب جی بھر کر کھایا پیا۔ اُس کے بعد زہرہ اُنہیں اپنے محل کے ایک خاص کمرے میں لے گی جہاں چاندی کا ایک بہت بڑا صندوق رکھا تھا۔

”اس صندوق میں کیا ہے؟“ امیر حمزہ نے پوچھا۔

”اس میں پہلوان سام بن نریمان کا لوہے کا گرز رکھا ہے جس کا وزن بارہ من

ہے۔ یہ گرز آپ کی نذر ہے۔" زہرہ نے صندوق کھولتے ہوئے جواب دیا۔

امیر حمزہ یہ گرز دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور کہنے لگے۔

"اگر عزیزِ مِصر نے میری اطاعت قبول نہ کی تو قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ اسی گرز سے اُس کی کھوپڑی پاش پاش کروں گا۔"

اُدھر استفتانوش اور صَدَف نوش مِصری فوجوں سے گھمسان کی جنگ کرنے میں مصروف تھے کہ جاسوسوں نے امیر حمزہ کے آنے کی خبر پہنچائی، دونوں یونانی پہلوان دوڑے دوڑتے اُن کے استقبال کو گئے اور پیروں پر گرے۔

امیر حمزہ نے باری باری دونوں کو سینے سے لگایا اور خُوب شاباش دی۔ عزیزِ مصر کو جب امیر حمزہ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ مِصری فوجوں کے پیر اُکھڑ گئے اور جس کا جدھر مُنہ اُٹھا، اُدھر بھاگ نکلا۔ امیر حمزہ نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جو شخص ہماری اطاعت قبول کرے اُسے چھُوڑ دو اور جو نہ مانے اُسے ہلاک کر دو۔

عزیزِ مِصر کا ایک بھائی ناصر شاہ تھا۔ وُہ امیر حمزہ کی خدمت میں آیا اور اُن کی اطاعت کر لی۔ تب امیر حمزہ نے اُسے سونے کی کُرسی پر بٹھایا اور وعدہ کیا کہ عزیز مِصر کی سلطنت تجھے عطا کر دوں گا۔ یہ سُن کر ناصر شاہ خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔

عزیزِ مِصر اپنی جان چھُپاتا پھرتا تھا، مگر کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ عُمرو عیّار اس کی تلاش میں تھا۔ آخر عزیزِ مِصر نے گھسیارے کا بھیس بدلا اور شہر پناہ کے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ اتفاق سے اس وقت عُمرو عیّار بھی ایک بُڈھے فقیر کے بھیس میں دروازے پر موجود تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک گھسیارا گردن اُٹھائے، نہایت شان و شوکت سے قدم اُٹھاتا چلا آتا ہے۔ اُس کا چہرہ مُہرہ گھسیاروں سے بالکل نہیں ملتا تھا اور نہ چال ڈھال ہی ویسی تھی۔ عُمرو کو شک ہُوا۔ آگے بڑھ کر گھسیارے کی گدّی ناپی اور کہنے لگا۔

"جناب گھسیارے صاحب، ذرا رکیے۔"

"تُم کون ہوتے ہو مجُھے روکنے والے؟"

نقلی گھسیارے نے ناراض ہو کر کہا اور گھُونسا تان کر عُمرو کی طرف لپکا۔ عُمرو نے اُچھل کر ایک ٹکر اُس کی ناک پر دی جس سے گھسیارے کی نکسیر پھوٹ گئی۔ عُمرو نے اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر اپنی زنبیل میں ڈالا اور لشکر کی طرف چلا۔ راستے میں گھسیارے سے کہنے لگا۔

"اگر تُم پہلے ہی سچ سچ بتا دیتے کہ کون ہو تو اتنی مرمّت نہ ہوتی۔ بولو، اب کیا رائے ہے؟ سیدنا امیر حمزہ کے پاس لے چلوں؟"

یہ سُن کہ عزیزِ مِصر گڑ گڑانے لگا کہ مجھے حمزہ کے پاس نہ لے جاؤ۔ مگر عُمرو نے ایک نہ سُنی اور اس کو امیر حمزہ کے سامنے لے جا کر ڈال دیا۔ اُنہوں نے ناراض ہو کر کہا۔

"تُم بالکل پاگل ہو گئے ہو کہ اس بے چارے گھسیارے کو پکڑ کر لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بے حد ضرورت تھی بھائی جان۔" عُمرو نے جواب دیا۔ "ذرا غور سے آپ

کی شکل ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ گھسیارے کے روپ میں کون صاحب چھُپے ہوئے ہیں؟"

اب جو امیر حمزہ، لندھور اور عادی پہلوان نے اُسے غور سے دیکھا تو عزیزِ مِصر کا چہرہ دکھائی دیا۔ عادی نے اسی وقت اِس کا ٹینٹوا دبایا اور کہنے لگا۔

"اچھا، ہم سے یہ چالاکیاں۔ بول امیر حمزہ کی غلامی قبول کرتا ہے یا پہنچاؤں سیدھا جہنّم میں۔"

امیر حمزہ نے عادی کو ڈانٹا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔ قیدی کو یوں تنگ نہیں کیا کرتے۔ چھوڑ دو اُسے۔"

"یا امیر، آپ بھول گئے کہ اس مردود نے ہم پر کیسے کیسے ظلم توڑے ہیں؟" عادی نے مُنہ بنا کر کہا۔

"وُہ تو ٹھیک ہے، مگر جو کام اس نے کیا وہی ہم کریں تو ہم میں اور اس میں کیا فرق رہے گا؟" امیر حمزہ نے عادی کو سمجھایا۔ پھر وُہ عزیزِ مِصر سے بولے۔

"تُم نے دیکھ لیا کہ دھوکے بازی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اب اپنی سزا خود ہی تجویز کرو۔ اِطاعت قبول کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ سام بن نریمان کے بارہ من وزنی گرز سے تمہاری کھوپڑی پاش پاش کر دوں گا۔"

عزیزِ مِصر کا رواں رواں دہشت سے کانپنے لگا۔ وُہ اوندھے مُنہ امیر حمزہ کے سامنے گر پڑا اور جان کی امان طلب کی۔ امیر حمزہ نے عُمرو کو اشارہ کیا۔ اُس نے جھٹ غلامی کا حلقہ عزیزِ مِصر کے کان میں ڈالا۔ پھر اُسے سب پہلوانوں کے گلے مِلوایا اور عزّت سے کُرسی پر بٹھایا۔ عزیزِ مِصر نے درخواست پیش کی کہ اُس کا تاج اور تخت واپس کیا جائے۔ مگر امیر حمزہ نے کہا۔

"ہم تمہاری سلطنت تمہارے چھوٹے بھائی ناصر شاہ کے حوالے کر چکے ہیں۔ اس لیے یہ خیال چھوڑ دو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ناصر شاہ تمہیں اپنی سلطنت میں کوئی اچھا عہدہ دے دے۔ ہم سفارش کر دیں گے۔"

یہ سُن کر عزیزِ مِصر چُپ ہو گیا۔ لیکن دِل میں سخت پیچ و تاب کھاتا رہا۔ رات

ہوئی تو سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا کر لیٹ کر سو گئے۔ مگر عزیزِ مصر کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ آخر وُہ اِدھر اُدھر دیکھ کر اُٹھا اور ایک چمکتا ہُوا خنجر لے کر چُپکے چُپکے امیر حمزہ کے خیمے کی طرف چلا۔ اِتّفاق سے پہرے دار بھی اُونگھ گیا تھا، اس لیے عزیزِ مصر کو خیمے میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

امیر حمزہ بے خبر سو رہے تھے۔ عزیزِ مصر نے خنجر اُٹھایا۔ اُس کے پھل کی چمک اتنی تیز تھی کہ فوراً امیر حمزہ کی آنکھ کھُل گئی۔ انہوں نے ایک گھُونسا ایسا مارا کہ عزیزِ مصر لڑھکتا ہُوا خیمے سے باہر جا پڑا۔ تب حمزہ باہر نکلے۔ اس کی گردن پکڑ کر اُٹھایا اور کہا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تیرے دِل میں بدی ہے۔ تُو سمجھ رہا تھا کہ میں سو رہا ہوں مگر حقیقت میں میں جاگتا تھا۔ اب دنیا کی کوئی طاقت تجھے مرنے سے نہیں بچا سکتی۔"

عزیزِ مصر پھر رونے اور گڑگڑانے لگا لیکن امیر حمزہ نے ایک نہ سُنی۔ عُمرو کو بُلا کر حکم دیا کہ اس فریبی مکّار کو فوراً موت کے گھاٹ اُتار دو۔ اس نے رات کی

تاریکی میں ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

اِس سے پہلے کہ عُمرو آگے بڑھے، عادی پہلوان جھُومتا ہُوا آیا اور عزیزِ مِصر کے ایسی لات ماری کہ وُہ ہُوا میں گیند کی طرح اُچھلا اور ایک قریبی پہاڑی ٹیلے سے ٹکرا کر دھم سے نیچے گر پڑا۔ اگلے روز اُس کی لاش کُتّوں اور گدھوں نے نوچ نوچ کر کھائی۔

ہفت مُلک کے بادشاہوں سے خراج لینے اور باغیوں کو سزا دینے کے بعد امیر حمزہ کی مہم ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے انہوں نے مدائن واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیوں کہ سپاہیوں اور فوجی سرداروں کو اپنے وطن سے نکلے ہوئے بہت دِن ہو گئے تھے اور سب کو اپنے بال بچّوں کی یاد ستا رہی تھی۔

اب ہم امیر حمزہ اور ان کے بہادر ساتھیوں کو تو مدائن کے راستے میں چھوڑتے ہیں اور آپ کو گستم پہلوان کے پاس لیے چلتے ہیں۔ ذرا دیکھیے کہ وُہ امیر حمزہ کے خلاف کس قسم کی کاروائیوں میں مصروف ہے۔ گستم کے جاسوس ایک

ایک لمحے کی خبریں اُسے پہنچا رہے تھے۔ اُس کو جب معلوم ہُوا کہ امیر حمزہ نے ہفت مُلک کے بادشاہوں کو زیر کیا اور آخر میں عزیزِ مِصر کو عادی پہلوان کے ہاتھوں مروایا، تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُس میں حمزہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ یہ بھاگا بھاگا مغل بادشاہ کے دربار میں گیا جس کا نام ژوپین گاؤ میش تھا۔ ژوپین وحشی تاتاریوں اور منگولوں کا سردار تھا اور نہایت زبردست اور طاقتور بادشاہ تھا۔ نوشیرواں کے ساتھ بھی اُس کی پرانی دشمنی چلی آتی تھی لیکن کئی بار جنگ میں شکست کھا کر اب بہت دن سے خاموش بیٹھا تھا۔

گستہم پہلوان نے ژوپین کے دربار میں پہنچ کر ساری داستان نمک مرچ لگا کر کہہ سُنائی۔ اور آخر میں ژوپین کو یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ اگر امیر حمزہ کو جلد مارا نہ گیا تو نہ صرف وُہ شہزادی مہر نگار کو لے جائے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ مغل سلطنت پر بھی حملہ کر دے۔

یہ سُن کر ژوپین نے بل کھایا اور شیر کی طرح دھاڑ کر بولا۔

”کس کی مجال ہے کہ میری جانب آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ افسوس ہے ایرانیوں، یونانی اور مِصریوں پر کہ ایک معمولی عرب سے شکست کھا گئے۔ امیر حمزہ جب مجھ سے پنجہ ملائے گا تب اسے حقیقت معلوم ہو گی۔ یہ سوال تو ہے کہ امیر حمزہ کو مار کر مُجھے کیا ملے گا؟“

”حضُور، سچ بات تو یہ ہے کہ شہزادی مِہر نگار کے لیے روئے زمین پر آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔“ گستم نے مُسکرا کر کہا۔ ”اگر آپ کو نوشیر واں نے اپنی دامادی میں قبول کر لیا تو سمجھئے کہ پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ منگول سلطنت کے ساتھ ساتھ آپ ایک روز ایرانی سلطنت کے مالک بھی بن جائیں گے۔ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ نوشیر واں کا دِل مٹھی میں لینے کی کوشش کیجئے۔“

گستم نے چکنی چُپڑی باتیں کر کے ژوپین کو ایسا شیشے میں اُتارا کہ وُہ اسی کا کلمہ پڑھنے لگا۔ گستم نے اُسے اِس بات پر بھی راضی کر لیا کہ وُہ خود نوشیر واں کے پاس جائے۔ چنانچہ ژوپین نے نہایت آن بان سے مدائن کی جانب کوچ کیا۔

تاتاری اور منگول اتنے سنگ دِل اور وحشی تھے کہ جس جگہ اُن کا گروہ رُکتا، وُہ جگہ اُجاڑ اور ویران ہو جاتی۔ بستیاں لُوٹ کر آگ لگا دینا اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔ وُہ مَردوں اور عورتوں کو پکڑ کر غلام اور باندیاں بنا لیتے اور بچّوں کو قتل کر دیتے۔

گستم نے نوشیرواں کو اطلاع دے دی تھی کہ میں نے بڑی مشکل سے ژوپین کو قابو کیا ہے اور اب وُہ آپ کی مُلاقات کے لیے آ رہا ہے۔ اس کا نہایت شان سے استقبال کیا جائے۔ نوشیرواں یہ اطلاع پا کر گھبرایا اور بزُرجمہر سے کہنے لگا۔

"یہ گستم پہلوان بھی انتہائی بے وقوف اور نالائق شخص ہے۔ بھلا اسے ژوپین کے پاس جانے اور اُسے یہاں آنے کی دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اب حال یہ ہو گا کہ اُس کے لشکری بے شمار بستیوں اور آبادیوں کو ویران کر دیں گے۔"

بزُرجمہر کے جواب دینے سے پہلے ہی بختک بول اُٹھا۔

”حضُور، سچ تو یہ ہے کہ گستہم نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حمزہ عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ مدائن واپس آ رہا ہے۔ اب اُس کی طاقت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ کسی وقت بھی آپ کی سلطنت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ اُس کا علاج یہی ہے کہ حمزہ کو کسی زبردست قوّت سے بھڑا دیا جائے۔ اس لیے گستہم کی نظر ژوپین پر پڑی ہے۔ ژوپین اگرچہ ہمارا دشمن ہے، مگر اِس موقع پر اُسے دوست بنالینا ضروری ہے، اور فرض کیجئے امیر حمزہ نے ژوپین کو ہلاک کر دیا، تب بھی ہمارا فائدہ ہے۔ اس طرح ہمیشہ کے لیے ژوپین سے نجات مِل جائے گی۔“

بختک کی یہ تقریر سُن کر نوشیرواں خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔

”بے شک تو ٹھیک کہتا ہے۔ ہم نے اِن باتوں پر دھیان نہ دیا تھا۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ ژوپین کا اتنا شان دار استقبال کیا جائے کہ لوگ ہمیشہ اسے یاد رکھیں۔ اس کے لشکر کو عراق کے ہرے بھرے جنگل میں اُتارا جائے۔“

اگلے روز نوشیرواں اپنے امیروں، وزیروں، پہلوانوں اور سرداروں کے

ساتھ ژوپین کے استقبال کو روانہ ہُوا۔ ژوپین کو یہ خبر ملی تو وُہ شہر مدائن سے کچھ دُور ہی رُک گیا اور نوشیر واں کا انتظار کرنے لگا۔

بہت دیر بعد گرد و غُبار کا ایک بادل صحرا میں نمودار ہُوا اور نقّارے بجنے کی آواز سُنائی دی۔ پھر گرد کا یہ بادل چھٹ گیا اور نوشیر واں کی فوج کا ایک ہراول دستہ دکھائی دیا۔ سب سے آگے ایک سیاہ فام اور گرانڈیل حبشی شیر کی کھال پہنے اور جھنڈا اُٹھائے چل رہا تھا۔

ژوپین نے گستم سے پُوچھا "یہ حبشی کون ہے؟"

"یہ نوشیر واں کا خاص غلام باجاہ جلال ہے۔ بڑا بہادر اور زور آور جوان ہے۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے آقا کی شِکار میں جان بچائی ہے۔"

باجاہ جلال کے پیچھے بے شمار فوجی سرداروں اور شہزادوں کی سواریاں تھیں اور ہر ایک کے ساتھ گھوڑوں اور ہاتھوں پر سوار فوجی دستے تھے۔ آخر میں ایک ایسی آواز سُنائی دی جیسے صحرا میں بہت سے شیر دھاڑ رہے ہیں۔

ژوپین نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے نوشیر واں سفر میں اپنے ساتھ شیروں کے پنجرے بھی لے کر چلتا ہے۔ یہ آواز اُنہی شیروں کی ہے۔“

یہ سُن کر گستم ہنس کر کہنے لگا۔

”نہیں عالی جاہ، یہ خاص قسم کے نقّارے اور بگل ہیں جو بزُرجمہر نے نوشیر واں کے لیے بنوائے ہیں۔ اِنہی سازوں میں سے شیروں کے دھاڑنے کی آوازیں نکلتی ہیں۔ وُہ دیکھیے شہنشاہ نوشیر واں کی سواری آتی ہے۔“

شہنشاہ نوشیر واں سفید رنگ کے ایک اونچے ہاتھی پر سوار تھا اور سونے کی ایک سو بیس چھتریاں اُس پر سایہ کیے ہوئے تھیں۔ شہنشاہ کے دائیں بائیں اور پیچھے سات سات سو ہاتھیوں کی قطاریں تھیں اور ہر ہاتھی پر سونے کا بنا ہُوا ہودج تھا۔ اِن ہاتھیوں کے علاوہ کئی ہزار سُرخ، سیاہ اور سفید رنگ کے عربی گھوڑے شہنشاہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے فوجی جوان یوں نظر آتے تھے جیسے پتھر کے مجسّمے ہوں۔ ان کی شان دار وردیاں

صحرا کی دھوپ میں جھِل مِل جھِل مِل کرتی تھیں اور اُن کے ہتھیاروں کی چمک اتنی تیز تھی کہ نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ چوب داروں کی ایک جماعت بلند آواز سے یہ نعرہ لگاتی ہوئی چلی آرہی تھی۔

"نگاہِ رُو برُو۔ با ادب، با ملاحظہ۔ ہوشیار۔ شہنشاہ ہفتِ کِشور، نوشیر واں کی سواری آتی ہے۔"

تب گستم نے ژوپین کو اشارے سے بتایا کہ شہنشاہ کی دائیں جانب بزُرجمہر وزیرِ اعظم اور بائیں جانب بختک وزیر کی سواری ہے۔ ستّر ہزار غلام سنہری وردیاں پہنے بزُرجمہر کے ساتھ ہیں۔

بادشاہ کی سواری جب نزدیک آئی تو ژوپین اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اُدھر نوشیر واں نے بھی ہاتھی سے اُترنے کا ارادہ کیا مگر بزُرجمہر نے اُسے روکا اور آہستہ سے کہا۔

"جہاں پناہ، آپ کا سواری سے اُترنا مصلحت کے خلاف ہے۔ جب تک ژوپین

دوڑ کر ہاتھی کے پاؤں کو نہ چومے، اس وقت تک نیچے نہ اُتریئے۔"

نوشیر واں نے یہ بات مان لی اور ہاتھی پر بیٹھا رہا۔ اتنے میں ژوپین سر جھُکا کر دوڑتا ہُوا آیا اور ہاتھی کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنا ہاتھ بادشاہ کی جانب بڑھایا۔ تب نوشیر واں کے مہارت نے اپنے ہاتھی کو زمین پر بٹھایا۔ نوشیر واں نہایت وقار سے اُترا اور آگے بڑھ کر ژوپین کو گلے سے لگایا، اُس کی پیشانی چومی اور خلعت عطا کی۔ پھر منگول لشکر کے دوسرے سرداروں اور پہلوانوں سے ملاقات کی اور اُن سب کو بھی نہایت قیمتی خلعتیں عنایت کیں۔ اس کے بعد ہزار ستُون کا ایک عالی شان خیمہ اور اس خیمے کے اندر چالیس ستون کا شاہی خیمہ آناً فاناً کھڑا کیا گیا۔ نوشیر واں اِس شاہی خیمے میں گیا اور تختِ جمشیدی پر بیٹھا۔ اطلس و حریر کے پردے، ریشم کے قالین، سونے چاندی کی جھالریں اور تکیوں کے غلاف جِن میں موتی جڑے تھے، ہر طرف نظر آنے لگے۔ ان کی چمک دمک اور آرائش دیکھ کر منگولوں اور تاتاری وحشیوں کی آنکھیں کھُل گئیں۔ پھر نوشیر واں کے حکم سے دستر خوان بچھایا گیا اور ایک ہزار

ایک قسم کے لذیذ اور خوشبو دار کھانے سجائے گئے۔ تمام برتن سونے اور چاندی کے تھے۔

جب مہمان اور میزبان کھانے سے فارغ ہوئے تو ژوپین نے نوشیر واں سے کہا ''بہت دِن ہوئے میں نے کسی کی زبانی ایک عرب نوجوان امیر حمزہ کا ذکر سُنا تھا۔ اب وُہ کہاں ہے اور کیا کرتا ہے ؟''

نوشیر واں کی بجائے بختک نے جواب دیا۔ ''وُہ آج کل مِصر میں ہے اور یقین ہے کہ اب تک عزیزِ مِصر کے ہاتھوں مارا جاچکا ہو گا اور اگر نہیں مارا گیا تو بچ کر کہاں جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس کی موت آپ کے ہاتھوں لکھی ہے۔''

یہ سُن کر ژوپین مُسکرایا اور مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا۔

''دراصل شہنشاہ نوشیر واں نے اُس معمولی عرب کو خواہ مخواہ سر پر چڑھا لیا تھا۔ ورنہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا۔''

یکایک گستہم پہلوان اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے آیا اور نوشیر واں کے تخت

کے پائے پر سر رکھ کر کہنے لگا۔ ”حضُور، جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟“

”کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟“ نوشیر واں نے کہا۔

”حضُور، آپ کے بعد ژوپین جیسا بادشاہ روئے زمین پر کوئی اور نہیں۔ ہم سب غلاموں اور نمک خواروں کی رائے ہے کہ حمزہ کے بجائے ژوپین کی شادی شہزادی مِہر نگار سے کی جائے۔“

نوشیر واں تو یہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں بختک اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُس نے بھی جان کی امان طلب کر کے گستم کی ہاں میں ہاں مِلائی۔

نوشیر واں نے بزُرجمہر کے کان میں کہا۔

”آپ کی کیا رائے ہے؟ ژوپین کو کیا جواب دوں؟ اگر انکار کرتا ہوں تو یقین ہے کہ یہ مُوذی اور اس کے وحشی سپاہی آن کی آن میں میرا ملک تباہ کر دیں گے اور بے شمار لوگ قتل ہو جائیں گے اور اگر قبول کرتا ہوں تو حمزہ کو کیا مُنہ

دکھاؤں گا؟"

بزُرجمہر چند لمحے چُپ رہا، پھر چُپکے سے بولا۔

"عالی جاہ، مصلحت یہ ہے کہ آپ اس وقت ژوپین کے ساتھ شہزادی کی شادی کرنے کا اعلان فرمادیں۔ مجھے یقین ہے کہ حمزہ ایک آدھ دِن میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ شہزادی مِہر نگار اُس کی امانت ہے۔ اگر اس کے بازوؤں میں طاقت ہو گی تو وُہ ژوپین سے اپنی امانت چھین لے گا۔"

یہ رائے نوشیرواں کو مناسب معلوم ہوئی۔ وُہ ہونٹوں پر مُسکراہٹ لاکر کہنے لگا۔

"اے گستم وفادار، ہمیں تمہاری تجویز سے اتّفاق ہے۔ ہم مِہر نگار کی شادی ژوپین سے کرنے کو تیّار ہیں۔"

یہ سنتے ہی ژوپین نے دوڑ کر بادشاہ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھیں اس کے تلووں سے رگڑنے لگا۔ دربار میں خوشی کے شادیانے بجائے جانے لگے۔

بختک مکّار نے موقع پا کر ژوپین کے کان میں کہا۔

”بہتر یہ ہے کہ آپ شہزادی مِہر نگار کو اسی وقت اپنے پاس بلوا لیں۔ ایسا نہ ہو کہ کل بادشاہ کی رائے بدل جائے۔“

یہ سُن کر ژوپین نے نوشیر واں سے درخواست کی کہ ”جب حضُور اس غلام کو اپنی دامادی میں قبول فرما چکے ہیں تو اب کیا دیر ہے۔ شہزادی مِہر نگار کو مدائن سے بلوا کر میرے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔“

نوشیر واں کے لیے اس درخواست کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے گستم پہلوان کے ایک بیٹے قباد کو مدائن جانے اور شہزادی کو حفاظت سے لانے کا حکم دیا۔

امیر حمزہ کی آمد

شہزادی مِہر نگار کی حفاظت کے لیے امیر حمزہ بہرام کو مدائن میں چھوڑ گئے تھے۔ بہرام نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ شہزادی کے محل میں پرندہ بھی پَر نہ مار سکتا تھا۔ یہاں تک کہ نوشیرواں بھی بہرام کی اجازت کے بغیر شہزادی سے ملاقات نہ کر سکتا تھا۔ پھر بھلا قباد بن گستم کی کیا حیثیت تھی جو بہرام کی ناک کے نیچے سے شہزادی مِہر نگار کو اُڑا لاتا۔ اُس کا خیال تھا کہ بہرام جب بادشاہ کا حکم نامہ دیکھے گا تو خاموشی سے شہزادی کو جانے کی اجازت دے دے گا۔ لیکن جب اُس نے بہرام کے سامنے نوشیرواں کا حکم نامہ پیش کیا تو بہرام نے پڑھے بغیر اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور قباد بن گستم کی پیٹھ پر ایسی لات ماری کہ بد نصیب سات لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا محل کی سیڑھیوں سے نیچے

گیا اور ایک حوض میں جا پڑا۔

قباد کو بہرام سے اِس سلوک کی اُمّید نہ تھی۔ وُہ روتا پیٹتا نوشیر واں کے حضُور میں گیا اور اپنی حالت بیان کی۔ بزُرجمہر اور نوشیر واں دِل میں خُوش ہوئے مگر گستم، بختک اور ژوپین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ نوشیر واں نے اُن سے کہا۔

"امیر حمزہ بہرام کو شہزادی مِہر نگار کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ بہرام کے کام میں دخل نہ دوں گا۔ اب میری جانب سے اجازت ہے کہ جس شخص میں دم خم ہو، وہ جائے اور شہزادی مِہر نگار کو لے آئے۔"

یہ سُن کر ژوپین، گستم اور بختک کے مُنہ لٹک گئے۔ ژوپین نے گستم سے کہا۔

"اے گستم، تیری بہادری اور شہ زوری کے آگے بہرام کی کیا حقیقت ہے۔

تُو جا اور شہزادی کو لے کر آ۔ میں تجھے جواہرات میں تول دوں گا۔"

گستم نے کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہنے لگا۔

"جنابِ والا، بہرام سے لڑنا میرے بس کی بات نہیں۔ آپ نے اُسے دیکھا نہیں ہے، مست ہاتھی ہے مست ہاتھی اور شیر کی طرح خُون خوار۔"

ژوپین حیرت سے گستم کو دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا یہ وہی بہرام تو نہیں جو کسی زمانے میں چین کا خاقانِ اعظم تھا؟"

"جی حضُورِ والا، وہی بہرام ہے۔" گستم نے جواب دیا۔

اب تو ژوپین کی سِٹّی بھی گم ہوئی۔ وُہ بہرام کے کارناموں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور بھلا کیوں نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ جنگ میں بہرام نے مارتے مارتے اُس کا جبڑا توڑ دیا تھا۔ وُہ مار اُسے اب تک یاد تھی۔

پھر بھی نوشیرواں کے سامنے اپنی بہادری جتانے کی غرض سے کہنے لگا۔

”جی تو چاہتا ہے کہ میں جاؤں اور بہرام کی ہڈّی پسلی توڑوں، مگر یہ میری شان کے خلاف ہو گا کہ امیر حمزہ کے ایک معمولی خادم کی مرمّت کے لیے خود جاؤں۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنے دو تاتاری غلاموں کو بُلوایا۔ ان کے قد سات سات فٹ کے تھے اور آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اس نے انہیں حکم دیا۔

”مدائن میں شہزادی مِہر نگاہ کے محل میں جاؤ اور اسے اپنے ساتھ لے آؤ۔ اگر بہرام گڑبڑ کرے تو اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دینا۔“

غلاموں نے ادب سے سر جھکایا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر مدائن چلے۔ اُدھر بہرام محل کی سیڑھیوں پر اپنے غلاموں اور جاں نثاروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے جب ژوپین کے غلاموں کو آتے دیکھا تو قہقہہ لگایا اور کہا۔

”آیئے آیئے۔۔۔ آپ شہزادی مِہر نگار کو لینے آئے ہیں؟“

”ہاں، اُسے فوراً ہمارے حوالے کر دو ورنہ اچھّا نہ ہو گا۔“ ژوپین کے غلاموں

نے جواب دیا۔

تب بہرام آگے بڑھا۔ دونوں غلاموں کو ایک ہی وقت میں پکڑ کر اپنی بغل میں دبایا اور اس زور سے بھینچا کہ اُن کی چیخیں آسمان تک گئیں۔ پھر بہرام نے اُن دونوں کے ناک کان کاٹے اور گھوڑوں پر بٹھا کر واپس بھیج دیا۔

ژوپین نے جب یہ دیکھا کہ اس غلام بہرام کی ہڈیاں توڑنے کے بجائے اپنی ہی ہڈیاں تڑوا آئے ہیں تو غصّے کے مارے سُرخ ہو گیا۔ اُسی وقت حکم دیا کہ لشکر تیّار ہو۔ کل مدائن پر حملہ کریں گے۔

ژوپین تو مدائن پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہی کرتا رہا اور امیر حمزہ ایک دوسرے راستے سے اپنا لشکر لے کر مدائن میں داخل بھی ہو گئے۔ بہرام نے اُنہیں سارا قصّہ سُنایا تو وُہ آگ بگولہ ہو گئے۔ اپنے لشکر کو حکم دیا کہ مدائن شہر کو لوٹ لو۔ لیکن آدمیوں کو مت ستاؤ اور نہ کسی کو مارو۔ یہ حکم دے کہ شہزادی مِہر نگار سے ملنے کے لیے محل میں گئے۔ وُہ انہیں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور کہنے لگی۔ "خدا کے واسطے مجھے یہاں سے کہیں اور لے چلیے

ورنہ ابّا جان میرا ہاتھ ژوپین کے ہاتھ میں دے دیں گے۔"

امیر حمزہ ہنس کر کہنے لگے، "شہزادی، گھبراؤ مت۔ اب تمہیں کوئی شخص خوف زدہ نہیں کرے گا۔"

امیر حمزہ نے دوستوں کے صلاح مشورے سے طے کیا کہ شہزادی مِہر نگار کو مکّے بھیج دیا جائے۔ اُنہوں نے چالیس ہزار غلام مقبل وفادار کے ماتحت کیے اور اُن کی حفاظت میں مِہر نگار کو مکّے روانہ کر دیا۔ اب امیر حمزہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو حکم دیا کہ نوشیرواں کے نام ایک خط لکھو۔ اُنہوں نے خط میں خُدا کی حمد و ثنا کے بعد لکھا۔

"اے نوشیرواں، تُو شہنشاہ ہفت کشور اور عادل کہلاتا ہے لیکن یہ بتا کہ مَیں نے کیا خطا کی ہے جو تو مجھ سے بار بار بے انصافی کرتا ہے۔ تو نے مجھے حکم دیا کہ ہندوستان جا کر لِندھور کا سر لے آؤں تو شہزادی مِہر نگار کی شادی مجھ سے کر دی جائے گی۔ میں لِندھور کو جیتا پکڑ لایا اور تیرے حوالے کیا لیکن تو اپنے قول سے پھر گیا اور شہزادی کو اولاد بن مرزبان کے حوالے کر دیا۔ پھر تو نے

گستہم پہلوان کے ہاتھ سے مُجھے زہر دلوایا۔ اُس کے بعد مِصر، یونان اور رُوم روانہ کیا اور قارن کے ذریعے زہر دینے کی کوشش کی۔ خدا نے مجھے بال بال بچایا۔ لیکن تجھے چین نہ آیا۔ اب تو تاتاریوں کے بادشاہ ژوپین کو بُلاتا ہے تا کہ مِہر نگار کی شادی اُس سے کرے۔ بہر حال، میں نے مِہر نگار کو مدائن سے نکال کر مکّے کی طرف روانہ کر دیا ہے اور دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈال دی ہے۔ اب میں تیرے پاس اس لیے آنا چاہتا ہوں کہ تو میرے سامنے اپنے کیے پر توبہ کر، میرے ساتھ صلح کر اور اپنی بیٹی شہزادی مِہر نگار کی شادی خوشی سے میرے ساتھ کر دے۔"

امیر حمزہ نے یہ خط استفتانوش کے سپرد کیا اور کہا کہ یہ خط حفاظت اور احتیاط سے نوشیر واں تک پہنچا اور اس کا جواب لے کر آ۔

استفتانوش نے خط کو چُوما، ادب سے سر پر رکھا اور ہاتھ باندھ کر کہا۔

"خدا کے کرم اور حضُور کے اقبال سے جاؤں گا اور یہ خط نوشیر واں کو دوں گا۔"

”جاؤ استفتانوش، تمھیں خدا کو سونپا۔ مگر دیکھ بھال کر جانا۔ وہاں تمھارے ہزاروں دشمن ہُوں گے۔“

”حضُور کی توجّہ رہی تو کوئی میرا بال بھی بیکانہ کر سکے گا۔“ استفتانوش نے کہا۔

اس کے بعد امیر حمزہ نے استفتانوش کے سب ہتھیار لیے، اُن پر حضرت ابراہیم کی بتائی ہوئی ایک دُعا پڑھ کر پھونک ماری اور فرمایا۔

”اللہ نے چاہا تو اب ان ہتھیاروں پر دشمن کا کوئی ہتھیار غالب نہیں آئے گا۔“

قِصّہ مختصر استفتانوش گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا اور نوشیرواں کے لشکر کی جانب فرّاٹے بھرتا ہُوا چلا۔ لیکن راستے ہی میں شام ہو گئی۔ دِل میں سوچا کہ رات کے وقت نوشیرواں کے پاس جانا ٹھیک نہیں، صبح جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ صحرا میں کچھ فاصلے پر مشعلوں کی روشنی ٹمٹماتی دکھائی دی۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُدھر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عظیم الشّان خیمہ کھڑا

آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ ہزاروں گھوڑے اور ہاتھی اپنا اپنا چارہ کھا رہے ہیں اور ایک بڑا لشکر چاروں طرف پھیلا ہُوا ہے۔ استفتانوش حیران ہُوا کہ یہ فوج کِس کی ہے اور کِس ارادے سے آئی ہے۔ آخر ایک سپاہی سے پوچھا تو اُس نے بتایا۔

"یہ لشکر لہراسپ بن لوس کا ہے اور اس بڑے خیمے میں ٹھہرا ہُوا ہے۔"

یہ سن کر خوشی سے استفتانوش کا چہرہ روشن ہو گیا کیوں کہ لہراسپ بن لوس اس کا پرانا یار تھا۔ اس نے ایک پہرے دار سے کہا۔

"جاؤ، اپنے آقا کو خبر دو کہ ایک پہلوان امیر حمزہ کے پاس سے نوشیرواں کے نام ایک پیغام لے کر جا رہا ہے۔ اب شام ہو گئی ہے۔ اس لیے یہ رات ڈیرے میں گزارنے کی اجازت چاہتا ہے۔"

پہرے دار نے یہی الفاظ لہراسپ سے جا کہے۔ وُہ اُسی وقت خیمے سے باہر نکلا۔ دیکھا کہ استفتانوش کھڑا ہے۔ بے اختیار چلّایا۔

”اُف۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔ استفتا نوش۔۔۔ میرے دوست۔۔۔“

استفتانوش نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور دونوں دوست ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ لہراسپ نے اپنے دوست کی خوب خاطر تواضع کی۔ جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو لہراسپ کہنے لگا۔

”استفتانوش، تُم بڑے خوش نصیب ہو کہ امیر حمزہ جیسے بے مثال پہلوان کے دوست بن گئے۔ میں نے جس روز سے حمزہ کی بہادری کے قصّے سُنے ہیں، اُسی روز سے ان سے ملنے کے لیے بے چین ہوں، مگر آج تک ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ اب تمہارے ساتھ ہی چلوں گا اور اُن سے مِلوں گا۔ اس وقت پچاس ہزار سوار میرے ساتھ ہیں۔ اگر نوشیرواں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تو میں اسے عبرت ناک سبق دوں گا۔“

”میرا خیال ہے ایسی نوبت ہی نہ آئے گی پھر بھی میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“ استفتانوش نے جواب دیا۔

دوسرے دن صبح کو استفتانوش لہراسپ سے وداع ہو کر چلا۔ دوپہر کو اُس مقام پر پہنچا جہاں نوشیر واں اور ژوپین کے لشکر پڑاوَڈالے ہوئے تھے۔ اُس نے شاہی خیمے کے باہر زمین میں نیزہ گاڑ کر اپنا گھوڑا اُس نیزے سے باندھا اور دربانوں سے کہا نوشیر واں کو خبر کرو کہ ایک ایلچی امیر حمزہ کا خط لے کر آیا ہے۔ دربان دوڑے اور بادشاہ کو خبر کی۔ نوشیر واں نے کہا آنے دو۔ تب استفتانوش دربار میں گیا اور بزرُجمہر کو اٹکل سے پہچان کر بولا۔

"میرا سلام ہے بزرُجمہر کو۔"

"تم پر بھی سلام ہو۔" بزرُجمہر نے خوش ہو کر کہا۔ "خُوش آمدید۔"

یہ سُن کر بختک جھلّایا اور کہنے لگا "خُوش تو آیا، مگر مزا جب ہے کہ خوش خوش جائے بھی۔"

بزرُجمہر نے بلند آواز سے کہا۔ "اسے خوش خوش جانے سے روکنے کی ہمّت کِس میں ہے؟" بختک شرمندہ ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

نوشیر واں نے اوپر سے نیچے تک استفتانوش کو گھُورنے کے بعد کہا ''اے یونانی پہلوان، لاؤ وہ خط مجھے دے جو حمزہ کی طرف سے لایا ہے۔''

استفتانوش نے امیر حمزہ کا خط نوشیر واں کو دیا اور خود تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔ نوشیر واں تو خط پڑھنے میں مشغول ہُوا اور اتنی دیر میں بختک نے ژوپین کے کان میں کہا کہ اس ایلچی کو زندہ نہ جانا چاہیے۔ ژوپین نے اپنے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ ایلچی کی پُشت پر وار کرے غلام خنجر لے کر استفتانوش پر جھپٹا ہی تھا کہ بزرُ جمہر نے للکار کے کہا۔

''اے پہلوان خبر دار! تجھ پر پُشت سے وار ہوتا ہے۔''

استفتانوش نے کِسی گھبراہٹ کے بغیر مُڑ کر دیکھا اور تلوار کا ایسا ہاتھ دیا کہ غلام کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

ژوپین نے غضب ناک ہو کر اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مارو اس بد معاش کو۔ یہ حکم سُنتے ہی بہت سے تاتاری اور منگول سپاہی تلواریں سُونت کر

استفتانوش پر آن گرے مگر اُس نے پَل بھر میں سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر نوشیر واں نے یہ لڑائی بند کرائی اور استفتانوش سے کہا۔

"تُو یہاں سے فوراً نکل جا اور حمزہ سے کہہ دے کہ ہم ایک دو روز میں خود مدائن آکر اس خط کا جواب دیں گے۔"

استفتانوش نے سلام کیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر مدائن کو روانہ ہُوا۔

گستم کی موت

استفتا نوش پہلوان نوشیرواں کے دربار سے نکلا اور سیدھا اپنے دوست لہراسپ کے پاس پہنچا۔ اُسے ساری داستان سُنائی۔ لہراسپ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"ابھی اپنے پچاس ہزار سپاہیوں کو لے کر جاتا ہوں اور ژوپین کی خبر لیتا ہوں۔"

استفتا نوش نے بڑی مشکل سے لہراسپ کو روکا اور سمجھایا کہ امیر حمزہ کی اجازت لیے بغیر ایسا کرنا مناسب نہ ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم سیدھے اُن کی خدمت میں پہنچیں۔ پھر جو حکم وُہ دیں گے اُس پر عمل کیا جائے گا۔ لہراسپ

کے دماغ میں یہ بات آ گئی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔

امیر حمزہ کو جاسوسوں نے خبر دی کہ استفتانوش لہراسپ کو ساتھ لے کر آتا ہے۔ امیر حمزہ نے لہراسپ کی بہادری کے کئی واقعات سُن رکھے تھے اور اُنہیں خود بھی اُس سے ملنے کا شوق تھا، اس لیے لہراسپ کے استقبال کو تشریف لے گئے۔ اُسے گلے سے لگایا، خلعت عطا کیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا کلمہ پڑھا کر دینِ ابراہیمی میں داخل کیا۔

اُدھر بختک اور ژوپین نے امیر حمزہ کے خلاف نوشیرواں کے کان بھرنے شروع کیے اور کہا کہ آپ شاہوں کے شاہ ہیں اور حمزہ ایک معمولی عرب کا لڑکا۔ اُسے زیادہ مُنہ نہ لگایئے، ورنہ یہ کسی روز آپ کی گردن پر چھری پھیر دے گا اور تخت و تاج پر ہمیشہ کے لیے قبضہ جما لے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایران جیسی عظیم سلطنت عربوں کی ملکیت بن جائے گی۔

غرض اُنہوں نے نوشیرواں کو ایسا ڈرایا کہ وُہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور ژوپین سے کہنے لگا ”مجھے کیا خبر تھی کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جائے

گا۔ خیر، جو ہُوا سو ہُوا۔ اب اِس فتنے کو دبانے کی کوئی تدبیر سوچو۔ شہر مدائن اور قلعے پر اِس وقت امیر حمزہ کا قبضہ ہے۔ اور مَیں نے سُنا ہے کہ حمزہ نے شہزادی مِہر نگار کو مکّے بھیج دیا ہے۔"

"جی ہاں، اِس سے آپ حمزہ کی بد نیتی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔" بختک نے کہا "یہ کتنی بدنامی کی بات ہے کہ شہزادی کو ایک معمولی شخص یوں شاہی محل سے نکال کر اپنے شہر کو روانہ کر دے۔ دنیا کی دوسری سلطنتوں کے بادشاہ سُنیں گئے تو کیا کہیں گے؟"

"بے شک تم صحیح کہتے ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔" نوشیرواں نے کہا۔

"حضُور، گھبرانے کی بات نہیں۔ جب تک آپ کے جاں نثار موجود ہیں، ایک امیر حمزہ کیا، ہزار آ جائیں تب بھی ہم پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ میں اپنے لشکر کو مدائن پر حملے کا حکم دیتا ہوں آپ دیکھتے جایئے کہ جب اِن وحشی اور جنگلی تاتاریوں سے حمزہ کو مقابلہ کرنا پڑے گا تو اُسے چھٹی کا دودھ یاد آ

جائے گا۔" ژوپین نے کہا۔

نوشیرواں اِس شیخی پر مُسکرا کر کہنے لگا۔ "تُم نے ابھی تک حمزہ اور اُس کے دوستوں کو دیکھا نہیں ہے ورنہ ایسی بات نہ کہتے۔ وُہ کوئی تر نوالہ نہیں ہے جسے نگلنا آسان ہو۔ آج تک بڑے سے بڑا پہلوان بھی اُسے ہرا نہیں سکا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ حمزہ کے پاس عجیب و غریب ہتھیار ہیں جن کی مدد سے وُہ دشمن پر قابو پالیتا ہے۔"

یہ سُن کر ژوپین کے ہوش گم ہوئے مگر اُس نے نوشیرواں کے رُوبرُو اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور برابر شیخی بگھارتا رہا۔

اگلے روز یہ عظیم لشکر نقّارے اور ڈھول بجاتا ہوا شہر مدائن کی جانب روانہ ہوا۔ جاسوسوں نے فوراً امیر حمزہ کو خبر پہنچائی کہ نوشیرواں اور ژوپین جنگ کے ارادے سے آتے ہیں۔ تب حمزہ نے بھی اپنے لشکر کو تیّار رہنے کا حکم دیا اور کہا کہ ہماری جانب سے بھی نقّارہ بجایا جائے۔ حکم کی دیر تھی اِس زور شور سے نقّارہ بجا کہ زمین ہلنے لگی۔ دشمن کے جس جس شخص کے کانوں میں اِس

نقّارے کی آواز پہنچی وہی بے قرار اور خوف زدہ ہُوا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے اور ایک دوسرے کو للکارنے لگے، تب ژوپین نے بختک سے کہا کہ مجھے دکھاؤ حمزہ کون ہے؟ اتنے میں گرد کا بادل پھٹا اور ژوپین نے دیکھا کہ سات فُٹ اُونچا ایک لمبا تڑنگا پہلوان ہاتھی پر بیٹھا چلا آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ریشم کا بنا ہُوا ایک جھنڈا ہے جس پر سنہری عقاب کی تصویر بنی ہے۔ اس پہلوان کے دائیں بائیں چار سو گھُڑسوار ہیں جن کے چہرے دُھوپ میں چمکتے ہیں اور اُن کی سُرخ سُرخ آنکھوں سے خون ٹپکتا دکھائی دیتا ہے۔ ژوپین اس پہلوان کو دیکھ کر تھر تھر کانپا اور بختک کے کان میں کہنے لگا۔

"اچھّا، تو یہی حمزہ ہے۔"

"نہیں جنابِ والا، یہ حمزہ نہیں۔ اُس کا ایک ادنیٰ غلام عادی پہلوان ہے۔"

عادی کو دیکھ کر مغلوں اور تاتاریوں کی سٹّی گم ہو گئی۔ سب چوکڑی بھول گئے

اور دِل میں سوچنے لگے کہ یہ آدمی ہے یا دیو۔ اس سے بھلا کون لڑے گا۔
ژوپین نے بختک سے پوچھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے طاقت ور پہلوان کو حمزہ نے کیوں کر قابو میں کیا ہو گا؟"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لِندھور کی سواری شان و شوکت سے نمودار ہوئی۔ سات سو ہاتھی اُس کے دائیں طرف اور سات سو بائیں جانب تھے۔
ژوپین نے دیکھا کہ ہیبت ناک شکل و صورت کا ایک دیو ہاتھی پر بیٹھا ہے۔
دائیں ہاتھ میں کئی مَن وزنی لوہے کا گُرز ہے جسے کبھی کبھی شغل کے طور پر ہُوا میں اُچھالتا ہے۔ تب اُس نے بختک سے پوچھا۔

"شاید یہی حمزہ ہے۔"

"یہ حمزہ نہیں، لِندھور ہے۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے کا بادشاہ ہے اور ہندوستان پر بھی اِسی کی حکومت ہے۔"

لِندھور کے بعد ایک اور سواری آئی۔ اس کے دائیں بائیں بھی سینکڑوں ہاتھی تھے۔ معلوم ہُوا کہ یہ سواری شہ پال ہندی کی ہے۔ اس کے بعد ایک اور لشکر نمودار ہُوا۔ آگے آگے دو خوب صورت نوجوان عربی گھوڑوں پر سوار تھے اور اُن کی شکلوں سے شجاعت اور بہادری ٹپکتی تھی۔ ژوپین نے پوچھا یہ کون ہیں؟ بختک نے کہا یہ رُوم کے شہزادے ہیں۔ ایک کا نام اسقِلان اور دوسرے کا نام بھی اسقِلان ہے۔ تب بارہ ہزار پیدل غلاموں کی ایک فوج ظاہر ہوئی۔ اُن کے لباس سونے چاندی کے تاروں کے بنے ہوئے تھے۔ سفید گھوڑوں کی لگامیں ہاتھوں میں تھامے آہستہ آہستہ چلے آرہے تھے۔

ژوپین نے پوچھا ”یہ لشکر کِس کا ہے؟“

بختک نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ ”یہ عُمرو عیّار کا لشکر ہے۔“

عُمرو عیّار کی پیدل فوج کو دیکھ کر تاتاری ہنسے اور کہنے لگے۔ ”عجیب بے وقوف لوگ ہیں کہ گھوڑے ساتھ رکھنے کے باوجود پیدل چلتے ہیں۔“

یہ سُن کر گستم نے ژوپین سے کہا۔ ”جہاں پناہ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ شخص عُمرو عیّار کیسی بلا ہے۔ قسم سے اگر ہزار حمزہ ہوتے تب بھی کچھ اندیشہ نہ تھا، مگر کاش یہ ایک عُمرو عیّار نہ ہوتا۔ اس مکّار نے ہماری ساری تدبیریں خاک میں ملادی ہیں۔“

اس کے بعد نشانِ اژدھا پیکر کی آواز سُنائی دی جس سے کوہ و بیاباں پر لرزہ طاری ہُوا۔ ژوپین نے بدحواس ہو کر کہا۔

”یہ خون ناک آواز کیسی ہے؟“

”یہ نشان اژدھا پیکر کی آواز ہے جو حکیم بزُرجمہر نے جادو کے زور سے بنایا ہے اور امیر حمزہ کو دیا ہے۔“ بختک نے جواب دیا۔

خواجہ بزُرجمہر نے بھی یہ بات سُن لی۔ فوراً کہنے لگے۔ ”میں جادوگروں اور جادو کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

بختک شرمندہ ہُوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ مشرق و

مغرب کا آفتاب امیر حمزہ میدان میں نمودار ہُوا۔ اس کے پیچھے تین ہزار ترکی، رومی، زنگی، چینی اور ہندی غلام دکھائی دیئے۔ سیاہ رنگ کے ایک اونچے اور قوّی گھوڑے پر بیٹھا تھا اور طرح طرح کے ہتھیار اُس کے بدن پر سجے تھے۔

اتنے میں نقیبوں کا دستہ سامنے آیا اور اُنھوں نے بلند آواز سے کہا۔

"کون جوان مَرد ہے جو میدان میں نکلنے کا حوصلہ کرتا ہے۔"

یہ پکار سُنتے ہی امیر حمزہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک چھوٹا سا چکّر لگایا۔ گھوڑے کے قدموں کی خاک آسمان تک گئی۔ پھر انھوں نے نے رُک کر نعرہ لگایا اور کہا۔

"جو شخص مُجھے نہیں جانتا وُہ اب جان لے کہ میں حمزہ ہوں اور جسے موت کی آرزو ہے وُہ میرے سامنے آئے۔ ابھی دَم کے دَم میں جہنّم کو پہنچا دیتا ہوں۔ مگر جو شخص میری اطاعت کرے گا، اُس کے لیے خوش خبری ہے۔"

یہ کہہ کر وُہ چُپ ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ کون مقابلے میں آتا ہے۔ مگر دشمن کی صفوں میں سے کوئی نہ نکلا۔ تب ژوپین نے بختک سے کہا۔

"یہ معاملہ کیا ہے، ہمارا کوئی پہلوان مقابلے کے لیے میدان میں نہیں نکلا۔"

"گستم پہلوان کے سوا اور کسی میں حمزہ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں۔" بختک نے جواب دیا۔ "آپ اُسے حکم دیجئے کہ میدان میں جائے۔"

یہ سُن کر گستم نے دانت پیسے، قہر بھری نظروں سے بختک کو دیکھا اور دِل میں عہد کیا کہ اگر حمزہ کے ہاتھوں بچ گیا تو اس بدمعاش بختک کی کھوپڑی ضرور پاش پاش کروں گا۔ بختک کی بات سُن کر ژوپین نے گستم سے کہا۔

"میں نے آج تک حمزہ کو کسی پہلوان سے لڑتے نہیں دیکھا۔ اب میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ اور امیر حمزہ سے دو دو ہاتھ کرو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ حمزہ کے پاس کون کون سے داد پیچ ہیں۔ پھر کل میں خود اس سے مقابلہ کروں گا۔"

گستہم بے چارہ لرزتا کانپتا میدان میں آیا۔ امیر حمزہ نے جونہی اُس کی شکل دیکھی، ہنسے اور اپنے ہتھیار کھولنے لگے، ژوپین نے تعجب سے کہا۔

"عجیب بات ہے۔ حمزہ اپنے ہتھیار کیوں کھول رہا ہے؟ کیا اس کا ارادہ لڑنے کا نہیں؟"

ژوپین نے یہ بات اتنی اونچی آواز سے کہی تھی کہ نوشیرواں کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ وُہ کہنے لگا۔ "حمزہ نے قسم کھائی تھی کہ گستہم کو بغیر ہتھیار کے ماروں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ژوپین نے تعجب سے کہا۔ "گستہم جیسے پہلوان کو خالی ہاتھوں کیوں کر مارا جا سکتا ہے؟"

"یہی حیرت مجھے بھی ہے۔" نوشیرواں نے جواب دیا۔

اِتنے میں گستہم نے حلق پھاڑ کر نعرہ مارا اور اپنی تلوار نیام سے کھینچ کر امیر حمزہ کی طرف لپکا۔ اُنہوں نے وار بچا کر بڑی پھُرتی سے گستہم کی کلائی پر ہاتھ ڈالا۔

گستم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر اپنی تلوار حمزہ کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکا۔ تب امیر نے گستم کی کلائی اس طرح موڑی کہ تلوار چھُٹ کر نیچے جا گری اور کلائی کی ہڈّی بھی ٹوٹ گئی۔ گستم تکلیف سے چلّانے لگا۔ اب اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنا خنجر نکالا اور امیر حمزہ کے سینے میں گھونپنے کی کوشش کی مگر امیر نے اُس کی ناک پر گھونسا مارا کہ چرخی کی طرح گھوم گیا اور پھر دھم سے زمین پر گرا۔ امیر حمزہ نے گردن پکڑ کر اُٹھایا اور اِس مرتبہ ایسی لات جمائی کہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔ آخر امیر نے مارتے مارتے اُسے آدھ موا کر دیا۔ یہاں تک کہ اُس کا دَم نکل گیا۔

گستم کے ایک لڑکے نے اپنے باپ کو مرتے دیکھا تو غضب ناک ہو کر میدان میں آیا۔ امیر حمزہ نے جلدی سے اپنے ہتھیار سنبھالے اور زرہ پہن لی۔ گستم کا بیٹا دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لیے ہوئے تھا اور ایسی پھُرتی سے چلاتا تھا کہ دوست دشمن سبھی عش عش کرتے تھے۔ تب امیر حمزہ نے پکار کر اُس سے کہا۔

”او بدنصیب، خیر اِسی میں ہے کہ واپس چلا جا ورنہ اپنے باپ کی طرح میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔“

لیکن گستم کے بیٹے کے سر پر جنون سوار تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر دونوں تلواروں سے حملہ کیا۔ حمزہ نے ڈھال پر اُس کے وار روکے اور پھر نعرہ مار کر کہا۔

”لے اب میں وار کرتا ہوں۔ پھر نہ کہیو کہ خبردار نہ کیا۔“

یہ کہہ کر اُنھوں نے تلوار گھمائی اور اس زور سے ماری کہ دشمن کی ڈھال کو چیرتی ہوئی سر پر پڑی اور اُس کی دو پھانکیں کرتی ہوئی گھوڑے پر آئی۔ اس کی کمر بھی صفا الگ کی اور زمین کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ گستم کا بیٹا کٹے ہوئے گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی دَم توڑ دیا۔

اتنے میں ژوپین نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ حمزہ زندہ بچ کر جانے نہ پائے۔ تاتاری وحشیوں اور جنگ جُو مغلوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی،

نعرے مارتے اور تلواریں چمکاتے ہوئے آئے۔ اِدھر عُمرو عیّار نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا ہی تھا کہ نے روکا اور کہا "خبر دار کوئی آگے نہ آئے۔ ژوپین کے لشکر سے میں اکیلا ہی لڑوں گا۔"

یہ حکم سُن کر عُمرو عیّار نے اپنی فوج کو رُکنے کا حکم دیا۔ امیر حمزہ بے دھڑک دشمن کے لشکر میں گھُس گئے اور کھیرے ککڑی کی طرح اسے کاٹنے لگے۔ وُہ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے تھے اور دشمن کا جو سپاہی اُن کی زد میں آ جاتا، زندہ بچ کر نہ جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ میں لاشوں کے انبار لگنے لگے۔ کٹے ہوئے سر اور ہاتھ پیر جا بجا بکھرے پڑے تھے اور زخمیوں کی چیخ پُکار سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔

دو گھنٹے کی خون ریز جنگ کے بعد تاتاریوں کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وُہ بھاگنے لگے۔ ژوپین کی حالت رنج اور غصّے کے باعث بہت بُری تھی۔ وُہ رہ رہ کر دانت پیستا تھا۔ بختک پناہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ آخر نوشیرواں خود میدان میں آیا۔ حمزہ نے جونہی اُسے دیکھا، ہاتھ روک لیا۔ بادشاہ نے کہا۔

"اے حمزہ۔ کیا آج تمہارے ہاتھ سے کوئی انسان زندہ نہ بچے گا؟"

"جہاں پناہ، میں کِسی کو مارنا نہیں چاہتا۔ لیکن جو کوئی مُجھے یا میرے دوستوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، خدائے واحد کی قسم ہے کہ زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ تُم ژوپین سے مقابلہ کرو۔ اِن معمولی سپاہیوں کو مارنے سے کیا فائدہ؟"

"جہان پناہ، میں ہر وقت تیّار ہوں۔ ژوپین سے کہیے کہ سامنے آئے۔" حمزہ نے کہا۔

"بہت بہتر۔ ہم ابھی ژوپین کو بھیجتے ہیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ لڑائی فوراً بند کر دی جائے۔"

نوشیرواں نے کہا۔ امیر حمزہ نے یہ درخواست منظور کی اور اپنے لشکر میں چلے آئے۔

امیر حمزہ زخمی ہوتے ہیں

اگلے روز دونوں فوجیں پھر آمنے سامنے آئیں۔ نوشیرواں نے ژوپین سے کہا۔

”میدان میں جاؤ اور امیر حمزہ کو مقابلے کے لیے للکارو۔“

ژوپین سر سے پیر تک فولاد میں ڈوبا تھا۔ آنکھوں کے سوا اُس کے جسم کا کوئی حصّہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اِس کے باوجود وُہ میدان میں آتے ہوئے ڈرا اور اپنے ایک نامور پہلوان مرد افگن زابلی کو اشارہ کیا کہ امیر حمزہ کو لڑائی کے لیے پُکارے۔ مرد افگن زابلی خوف ناک شکل صورت کا ایک دیو قامت آدمی تھا جس کی قوت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ وُہ سیاہ رنگ کے ہاتھی پر بیٹھ کر میدان میں

آیا۔ دائیں بائیں اُس کے سات بھائی تھے۔

اُدھر امیر حمزہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور خُدا کا نام لے کر میدان میں آئے۔ فوجی سرداروں اور پہلوانوں نے سلامی دی اور سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ مرد افگن زابلی نے قہقہے لگا کر کہا۔

"اے حمزہ، مجھے تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ واپس چلا جا اور میرے مقابلے کے لیے کسی اور کو بھیج۔"

"یہی بات میں تجھ سے کہنے والا ہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "نوشیرواں نے کل مُجھ سے کہا تھا کہ ژوپین خُود میرے مقابلے میں آئے گا، مگر وُہ ایسا بُزدل ہے کہ سامنے نہیں آتا اور اپنے دوستوں کو آگے بھیجتا ہے۔"

یہ سُن کر مرد افگن زابلی اور اُس کے ساتوں بھائیوں نے غضب ناک ہو کر ایک ساتھ امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ سب کے سب ہاتھیوں پر سوار تھے اور امیر حمزہ گھوڑے پر بیٹھے تھے۔ یکایک عُمرو عیّار ایک زبردست ہاتھی کو لیے

میدان میں آیا اور حمزہ سے درخواست کی کہ گھوڑے سے اُتر کر اِس پر سوار ہو جایئے۔ حمزہ نے عُمرو کی درخواست قبول کی۔ گھوڑا اُس کے حوالے کیا اور خود پھُرتی سے ہاتھی پر سوار ہو گئے۔ تب مرد افگن زابلی نے اپنا فولادی گرز اِس زور سے حمزہ کے ہاتھی کی گردن پر مارا کہ وُہ ایک طرف کو جھُک گیا اور اِس ہیبت ناک انداز میں چنگھاڑا کہ جنگل اور پہاڑ اُس کی آواز سے کانپ گئے۔ اب حمزہ نے اپنا گرز گھمایا اور مرد افگن پر حملہ کیا۔ ان کے پہلے ہی وار میں مرد افگن کا ہاتھی دھم سے زمین پر گرا اور مر گیا۔ مرد افگن پٹخنیاں کھاتا ہوا دُور جا پڑا۔ اپنے بڑے بھائی کو یوں گرتے دیکھ کر ساتوں بھائی طیش میں آ گئے اور اُنہوں نے امیر حمزہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ مگر حمزہ نے ایک ایک کر کے سب کو زمین پر پھینکا۔ عُمرو عیّار نے دوڑ دوڑ کر اُنہیں رسّیوں میں باندھا اور اپنے لشکر میں لے گیا۔

حمزہ کی بہادری اور جی داری پر دوست دشمن سبھی نے آفرین کی۔ لیکن ژوپین کے ہوش اُڑے گئے۔ اُس نے دِل میں کہا کہ اب موت سر پر آئی۔

اُدھر نوشیرواں نے مُسکرا کر کہا۔

"اب کیا سوچتے ہو؟ کہو تو امیر حمزہ کی اطاعت قبول کر لوں اور تمہیں اُس کے حوالے کر دوں؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" ژوپین چلّایا "میں ابھی حمزہ کا سر کاٹ کر لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کہ وُہ اپنی فوج میں گیا اور سپاہیوں کو سمجھایا کہ جب میں اشارہ کروں تو فوراً میدان میں آ کر حمزہ پر ٹوٹ پڑنا اور اُس کے ٹکڑے کر ڈالنا۔ اس کے بعد وُہ میدان میں آیا اور نعرہ مار کر کہا۔

"جس کو مُجھ سے مقابلے کی آرزو ہے وُہ سامنے آئے۔"

اس کی یہ شیخی سُن کر لِندھور کو جوش آیا۔ اپنا گُرز ہُوا میں اُچھالتا ہُوا آگے بڑھا اور پُکار کر کہا۔

"او بے ادب، تُو کیا اور تیری بساط کیا۔ مَیں تیرے مقابلے میں آیا ہوں۔ اپنے دِل کی حسرت نکال لے۔ پھر شکایت نہ کیجو کہ حملے کا موقع نہ ملا۔"

ژوپین نے لِندھور کو اپنے سامنے دیکھا تو دہشت سے گھِگھی بندھ گئی۔ لیکن اپنی حالت چھُپا کر کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے حمزہ مُجھ سے ڈر گیا ہے۔ تبھی سامنے نہیں آتا اور تجھے مرنے کے لیے بھیج دیا۔ مَیں تیری بجائے حمزہ سے لڑنا زیادہ پسند کروں گا۔ تُو واپس جا اور اُسے یہاں بھیج دے۔"

امیر حمزہ نے بھی ژوپین کی یہ بات سُن لی۔ وُہ خود میدان میں آئے اور لِندھور کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجا۔ ژوپین نے میان سے تلوار نکالی اور امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ امیر نے اپنی ڈھال پر ژوپین کے تمام وار روکے اور ہنس کہ کہا۔

"اے ژوپین، جتنے جی چاہے وار کر لے۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

یہ سُن کر ژوپین اور جوش میں آیا۔ بڑھ بڑھ کر تلوار مارنے لگا۔ آخر امیر حمزہ نے کہا۔ "ہوشیار ہو جا کہ اب میں حملہ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُنہوں نے اپنا گرز گھمایا اور اس زور سے مارا کہ ژوپین کا گھوڑا لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا اور خود ژوپین بے ہوش ہو گیا۔ تب اس کے غلام دوڑے دوڑے آئے، اپنے آقا کو اُٹھا کر لے گئے اور خیمے میں لے جا کر مُنہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ تب کہیں اُسے ہوش آیا۔

جلدی سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اُس کی فوج نے امیر حمزہ پر حملہ کر کے اُنہیں گھیرے میں لے لیا ہے اور حمزہ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے گاجر مولی کی طرح سپاہیوں کے سر اُڑا رہے ہیں۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور زخمیوں کی چیخ و پُکار سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ دم بھر میں امیر نے ژوپین کے ہزاروں آدمی مار ڈالے۔ یہ دیکھ کر ژوپین کو خوف ہُوا کہ اگر یہی حالت رہی تو حمزہ میرا ایک سپاہی بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس نے بختک سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اُس نے مُسکرا کے کہا۔

"چُپکے سے حمزہ کے پیچھے جاؤ اور ایسی تلوار مارو کہ وُہ زخمی ہو کر نیچے گر

پڑے۔"

یہ سُن کر ژوپین بُزدل خوش ہُوا۔ اپنا چہرہ نقاب میں چھپایا اور چُپکے چُپکے اُدھر چلا جِدھر امیر حمزہ جنگ کر رہے تھے۔ اُس نے موقع پا کر ایسی تلوار ماری کہ حمزہ کے سر میں گہرا زخم آیا اور خون کا فوّارہ چھوٹا۔ اُنہوں نے پلٹ کر دیکھا تو ژوپین اپنا چہرہ نقاب میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمزہ اپنی تلوار سے اس کی گردن اُڑانے کو آگے بڑھے، مگر چکّر آیا اور زمین پر گرنے لگے۔ تب انہوں نے اپنے وفادار گھوڑے کی گردن کے بال پکڑے اور کہا۔ "مجھے فوراً گھر لے چل۔"

سیاہ قیطاس نے اپنے آقا کا یہ حکم سُنا تو دشمنوں کے لشکر سے نکلا۔ کسی کو کاٹتا اور کِسی کو لاتوں سے مارتا ہُوا صاف نکل آیا اور مکّے کی جانب روانہ ہُوا۔

اِدھر عُمرو عیّار نے امیر حمزہ کو میدان میں نہ پایا تو سخت پریشان ہُوا۔ آخر بھیس بدل کر دشمن کے لشکر میں گیا۔ وہاں پتہ چلا کہ ژوپین بُزدلی سے کام لیتے ہوئے امیر حمزہ کی پشت پر آیا اور سر پر تلوار سے وار کیا۔ امیر زخمی ہوئے

اور گھوڑا اُنہیں میدان سے نکال کر مکّے کی جانب لے گیا ہے۔

یہ سُن کہ عُمرو اپنے لشکر میں آیا۔ مُقبِل وفادار کو ایک جانب بُلا کر سارا قصّہ سُنایا۔ پھر کہا۔

"میں تیری شکل حمزہ کی سی بنا دیتا ہوں۔ تُو جلدی سے جسم پر ہتھیار لگا، سیاہ گھوڑے پر سوار ہو اور میدان میں نکل کر دشمنوں سے لڑائی کر۔ وُہ سب یہی سمجھیں کہ حمزہ زخمی نہیں ہُوا بلکہ میدان میں موجود ہے۔ میں مکّے جاتا ہوں تاکہ امیر حمزہ کی خبر لوں۔"

یہ کہہ کہ عُمرو نے مُقبِل وفادار کو امیر حمزہ کے کپڑے پہنائے، اپنے شُعبدے کی مدد سے اُس کی شکل بھی ایسی ہی بنائی اور میدان میں بھیجا۔ ژوپین اور اُس کے سپاہیوں نے جب مُقبِل کو لڑتے دیکھا تو وُہ حیران ہوئے اور کہنے لگے۔

"تعجّب ہے کہ حمزہ ابھی تک صحیح سلامت ہے۔ یہاں سے بھاگو، ورنہ یہ سب کو مار ڈالے گا۔"

تب بختک مکّار نے اُنہیں دلاسا دیا اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں، یہ سب عُمرو عیّار کی کارستانی ہے۔ اُس نے اپنے کسی ساتھی کو امیر حمزہ بنا کر بھیجا ہے۔" یہ سُن کر ژوپین کی جان میں جان آئی اور لڑائی زور شور سے ہونے لگی۔

عُمرو عیّار دَم لیے بغیر مکّے پہنچا۔ دیکھا کہ شہر میں ماتم برپا ہے۔ خواجہ عبدالمطّلب کے مکان کے آگے ہزاروں مرد اور عورتیں جمع ہیں اور ہر ایک کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ معلوم ہُوا کہ حمزہ بے ہوش پڑے ہیں اور جسم سے اتنا خون نکل گیا ہے کہ بچنے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ تب عُمرو اُن کے پاس گیا۔ دیکھا کہ زخم سے ابھی تک خون نکل رہا ہے اور حمزہ کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہے۔ عُمرو نے اُسی وقت جیب سے مرہم سلیمانی نکال کر زخم پر لگایا۔ مرہم لگاتے ہی عجیب کرشمہ ہُوا۔ خون بند ہو گیا اور چند لمحے بعد سر پر زخم کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ امیر حمزہ نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے عُمرو عیّار پر نگاہ پڑی۔ پوچھنے لگے۔

”میں کہاں ہوں؟ یہاں مُجھے کون لایا؟“

”آپ اپنے گھر میں ہیں۔ میدانِ جنگ میں زخمی ہو گئے تھے۔ اب خدا نے فضل کیا اور مرہم سلیمانی کی برکت سے زخم اچھا ہو گیا ہے۔“ عُمرو نے جواب دیا۔

شہزادی مہر نگار کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ اُس نے جب تک اپنی آنکھ سے امیر حمزہ کی حالت نہ دیکھی، اُس وقت تک اُسے چین نہ آیا۔ خوش ہو کر اس نے اپنے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اُتارا اور عُمرو کو دیا۔ عُمرو نے ہار لے کر غور سے ایک ایک موتی کو جانچا، پرکھا اور جیب میں رکھ لیا۔ شہزادی نے پوچھا۔

”اے عُمرو، تو اس قدر غور سے اس ہار کو دیکھ رہا تھا؟“

”اس لیے کہ اِن میں کوئی موتی جھوٹا نہ ہو۔“ عُمرو نے جواب دیا۔

امیر حمزہ کو آرام کرنے کی ہدایت کر کے عُمرو دوبارہ اپنے لشکر کی طرف چلا۔

رات ہو چکی تھی اور جنگ بند تھی۔ لیکن دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ عُمرو نے سب کو تسلّی دی کہ حمزہ خیر سے ہیں، لیکن کم زوری وجہ سے ابھی اِس قابل نہیں کہ میدان میں آئیں اور لشکر کی کمان سنبھالیں۔

لِندھور نے کہا۔ "یہ سب کیا دھرا ژوپین کا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد میں سب سے پہلے ژوپین کا کام تمام کروں گا۔"

"نہیں، ایسا نہ کرنا۔" عُمرو نے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک تدبیر آتی ہے۔ میں اُس پر عمل کروں گا۔ اس کے بعد نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ اب آپ لوگ یہاں سے پڑاؤ ہٹا لیں اور مکّے کی جانب تیزی سے روانہ ہو جائیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔"

عُمرو، امیر حمزہ کا نائب بھی تھا۔ اس لیے کسی کو اُس کے حکم سے سر تابی کی مجال نہ تھی۔ راتوں رات ڈیرے خیمے اُکھاڑے گئے اور لشکر مکّہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اِدھر عُمرو عیّار سبز کمبل اوڑھ کر دشمن کی فوج میں داخل ہُوا۔ سب سے

پہلے ژوپین کے خیمے میں پہنچا۔ دوائے بے ہوشی اس کی ناک میں رکھی۔ وُہ بے ہوش ہو گیا تو اُسے باندھ کر زنبیل میں رکھا۔ اُس کے بعد بختک کے خیمے میں گیا۔ یہی سلوک اُس کے ساتھ بھی کیا۔ آخر میں شہنشاہ نوشیرواں کے خیمے میں داخل ہُوا۔ اُسے بھی بے ہوش کر کے زنبیل میں ڈالا اور مکّے کی جانب روانہ ہُوا۔

مکّے پہنچ کر وُہ مُنہ اندھیرے خواجہ عبدالمطّلب کے مکان پر گیا۔ امیر حمزہ کا لشکر ابھی راستے میں تھا۔ امیر اپنے بستر پر پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ عُمرو نے اُنہیں جگایا اور کہا۔

"میں ژوپین، بختک اور نوشیرواں کو گرفتار کر کے لے آیا ہوں اور ابھی تمہارے سامنے اُن کی گردنیں اُڑاتا ہوں تاکہ ہمیشہ کے لیے فتنے فساد کا خاتمہ ہو۔"

یہ کہہ کر اُس نے زنبیل میں سے تینوں کو باہر نکالا اور ایک ستون سے باندھ دیا۔ امیر حمزہ عُمرو کی یہ کاروائی دیکھ کہ حیرت سے دیر تک بول نہ سکے۔ عُمرو

ایک پتھر پر اپنا خنجر تیز کرنے لگا۔ سب سے پہلے بختک ہوش میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دائیں بائیں نوشیرواں اور ژوپین رسّیوں سے بندھے ہوئے کھڑے ہیں اور عُمرو عیّار اپنا خنجر تیز کررہا ہے۔ بختک کی گھِگھی بندھ گئی۔ رو رو کر التجا کرنے لگا۔

"اے حمزہ، اِس خُونی سے میری جان بچاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے خلاف کوئی حرکت نہ کروں گا۔"

"چُپ بے۔۔۔۔ ہمیں تیری کسی بات کا اعتبار نہیں رہا۔" عُمرو نے کہا "بس اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے اور مرنے کے لئے تیّار ہو جا۔"

بختک کی آہ وزاری اور چیخ پکار سے نوشیرواں اور ژوپین بھی ہوش میں آ گئے اور اپنے آپ کو یوں بے بس پا کر بے حد شرمندہ ہوئے۔ آخر نوشیرواں نے امیر حمزہ سے کہا۔

"عُمرو کو روکو، ورنہ دنیا کہے گی کہ حمزہ نے دھوکے سے اپنے دشمنوں کو گرفتار

کر کے مروا دیا۔ یہ حرکت بہادروں کی شان کے خلاف ہے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے گردن جھکا لی اور ادب سے کہا۔ "جہاں پناہ، میں نے اسے حکم نہیں دیا تھا کہ آپ کو یوں گرفتار کر کے لایا جائے۔"

"بادشاہ سلامت، آپ بالکل فکر نہ کیجیے، میں آپ کو کچھ نہ کہوں گا۔" عُمرو نے کہا "لیکن اِن دونوں بدمعاشوں کو شہر میں لے جا کر ذبح کروں گا اور کسی کی سفارش نہ سُنوں گا۔"

اب تو ژوپین اور بختک بُری طرح گڑگڑانے لگے۔ مگر عُمرو برابر اپنا خنجر تیز کرتا رہا۔

ژوپین نے عُمرو کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "اے عُمرو، تو آج میری جان بخش دے۔ قسم ہے آئندہ اپنی شکل تجھے نہ دکھاؤں گا۔"

بختک نے بھی ہاتھ باندھ کر کہا "اگر آئندہ امیر حمزہ یا تیرے خلاف کوئی شرارت کروں تو تجھے اختیار ہے کہ مُجھ سے جو چاہے سلوک کرے۔"

عُمرو نے گردن جھُکا کر اِن کی درخواستوں پر غور کرنا شروع کیا، مگر پھر انکار میں سر ہلایا اور بولا۔ ”نہیں، تُم لوگوں کو چھوڑ دینا حماقت ہے اور ایسی حماقت کی کم از کم مُجھ سے اُمّید نہ رکھنا۔“

نوشیرواں نے دیکھا کہ عُمرو پر منّت سماجت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اُس نے کہا۔ ”کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ تُم ان بدنصیبوں کی جان بخشی کر سکو۔“

”جی ہاں۔ ایک صورت ہے۔ اور وُہ یہ کہ یہ دونوں چار چار ہزار اشرفیاں مجھے دیں۔“ عُمرو نے جواب دیا۔

تب نوشیرواں نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اُتاری اور عُمرو کو دیتے ہوئے کہا ”یہ انگوٹھی ہم تمہیں عطا کرتے ہیں۔ اِس کی قیمت ایک لاکھ اشرفیوں سے بھی زیادہ ہے۔“

عُمرو نے دیکھ بھال کر انگوٹھی اپنی انٹی میں دبائی۔ پھر ایک خادم کو حُکم دیا کہ کوڑا لے کر آئے۔ بختت اور ژوپین کو ستون سے کھولا گیا اور عُمرو نے اُن کی

پیٹھ پر پچاس پچاس کوڑے مارے پھر نائی کو بُلوا کر حکم دیا کہ اِن کی بھَنویں اور مونچھیں مونڈ دی جائیں۔ اِس کے بعد اُنہیں چھوڑ دیا۔

ژوپین نے بختک سے کہا۔ "میں تو یہاں سے جاتا ہُوں۔ دوبارہ اِدھر کا رُخ بھی نہ کروں گا۔"

بختک نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ "بس، اِسی بہادری پر ناز تھا۔ واقعی شہزادی مِہر نگار تمہارے لائق نہ تھی۔"

یہ سُن کر ژوپین کو غصّہ آیا۔ گرج کر بولا۔ "بہت اچھا، جب تک شہزادی مِہر نگار سے شادی نہ کروں گا، مُجھ پر دِن کا چین اور رات کی نیند حرام ہے۔"

آسمان پری

ژوپین، بختک اور نوشیرواں کو تھوڑی دیر کے لیے یہیں چھوڑ کر ہم آپ کو ایک نئی دنیا میں لیے چلتے ہیں، اِس دنیا کو کوہ قاف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں دیوؤں اور پریوں کی حکومت ہے اور طرح طرح کے عجائبات اور طلسمات سے یہ دنیا بھری پڑی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ امیر حمزہ کی پیدائش کے بعد کوہ قاف کے بادشاہ شاہ رُخ نے ان کا پنگوڑا اپنے ملک میں پریوں کے ذریعے سے منگوایا تھا اور دربار کے وزیر عبد الرحمٰن نے بادشاہ کو بتایا تھا کہ یہ بچّہ بڑا نام ور اور زور آور ہو گا۔ اٹھارہ سال تک کوہ قاف میں رہے گا اور ہزارہا دیوؤں اور خبیثوں کو جہنم رسید کرے گا۔

کوہ قاف کا بادشاہ شاہ رُخ جب مَر گیا تو سب امیروں اور وزیروں نے اُس کی

بیٹی آسمان پری کو تخت پر بٹھایا۔ نوّے ہزار پریاں اُس کے محل میں رہتی تھیں اور اُس کی سلطنت دِن دُگنی رات چوگنی ترقّی کر رہی تھی۔ دارالسلطنت کا نام شہرستان زرّیں تھا۔ اِس نام کی وجہ یہ تھی کہ شہر کی تمام عمارتیں سنہرے رنگ کی تھیں اور جب اُن پر سورج کی کرنیں پڑتیں تو یہ عمارتیں سونے کی طرح جگ مگ جگ مگ کرنے لگتی تھیں۔

کوہ قاف کے مغربی حصّے پر ایک ظالم دیو کی حکومت تھی۔ اُس کا نام عفریت تھا۔ آہستہ آہستہ اُس نے اپنی طاقت بڑھانی شروع کی اور اِرد گرد کے علاقوں پر قبضہ کرنے لگا۔ دراصل اُس کی نیّت یہ تھی کہ پورے ملک پر قابض ہو جائے۔ اُس نے ایک روز دیوؤں کی دس ہزار فوج کے ساتھ شہرستان زرّیں پر حملہ کر دیا۔ پریوں نے چند روز تک تو دیوؤں کا مقابلہ کیا۔ مگر کہاں تک بس چلتا۔ آخر اُنہوں نے بھاگنا شروع کر دیا اور اپنے شہر کو دیوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ آسمان پری کا ایک وزیر، جس کا نام سلاسل تھا، علمِ نجوم میں بہت مشہور تھا۔ پریشان ہو کر آسمان پری نے سلاسل وزیر کو طلب کیا اور کہا کہ

حساب لگا کر بتاؤ ہمارا ملک اور ہماری دولت ہم کو دیوؤں سے واپس ملے گی یا نہیں؟ وزیر سلاسل نے دیر تک حساب لگایا اور خوب غور کرتا رہا۔ آخر خوش ہو کر کہنے لگا۔

”اے بادشاہ زادی، مبارک ہو۔ میرا حساب بتاتا ہے کہ تیرا ملک اور تیری دولت تجھے ایک آدم زاد کے ذریعے واپس ملے گی۔“

یہ سُن کر آسمان پری حیران ہوئی اور پوچھنے لگی ”جلد بتا کہ وُہ آدم زاد کہاں ہے اور کون ہے؟“

”اُس کا نام حمزہ ہے۔ نہایت حسین اور بہادر جوان ہے۔ اُس پر پیغمبروں کا سایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی پہلوان اُسے ہرا نہیں سکا۔ دیوؤں کے سردار عفریت کی موت اُسی حمزہ کے ہاتھوں لکھی ہے۔ اگر وُہ کِسی طرح کوہ قاف میں آجائے تو تمام پریشانیاں اور مصیبتیں دُور ہو سکتی ہیں۔“

”وُہ بھلا یہاں کیسے آسکتا ہے؟“ آسمان پری نے کہا۔

”آپ فکر نہ کیجئے۔ اُس کالانا میرا کام ہے۔“ وزیر نے جواب دیا۔

تب آسمان پری نے بہت سے زر و جواہر وزیر سلاسل کے سپرد کیے اور کہا کہ مکّے جاؤ اور ہماری جانب سے یہ تحفے امیر حمزہ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کرو کہ وُہ کوہ قاف تشریف لائیں۔ وزیر سلاسل نے پریوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لیا اور دَم کے دَم میں کوہ قاف سے اُڑ کر مکّے پہنچا۔ امیر حمزہ اس وقت خانہ کعبہ لے قریب بیٹھے عبادت کر رہے تھے۔ یکایک پریوں کا غول ظاہر ہُوا اور خوشبودار میوؤں کے کئی خوان سامنے رکھ کر غائب ہو گیا۔ امیر حمزہ ان پریوں اور میوؤں کے خوان دیکھ کر حیران ہوئے۔ پھر عُمرو عیّار کو بلایا اور حکم دیا۔

”جاؤ یہ سارا میوہ شہر کے لوگوں میں تقسیم کر دو۔“

عُمرو نے خوان مزدوروں کے سر پر رکھوائے اور شہر میں لے گیا۔ جس نے بھی یہ میوے کھائے بے اختیار تعریف کرنے لگا۔

اگلے روز امیر حمزہ پھر خانہ کعبہ میں گئے اور عبادت میں مشغول ہوئے کہ پریاں نمودار ہوئیں ان کے ساتھ سلاسل وزیر بھی تھا۔ امیر حمزہ نے اُن سے کہا "دیکھو تمھیں حضرت سلیمان علیہ السّلام کی قسم ہے، غائب نہ ہونا۔ اپنا حال مُجھ سے کہو کہ یہاں کیوں کر آنا ہُوا؟"

پریوں نے سارا حال سچ سچ کہہ سُنایا۔ امیر حمزہ حیرت سے سُنتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔ "خدا کے فضل سے میں عفریت کو مار سکتا ہوں۔ لیکن کوہ قاف یہاں سے بہت دُور ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے برسوں چاہیں۔"

"اے امیر، آپ فکر نہ کیجئے۔" پریوں نے کہا۔

"ہم پلک جھپکنے میں آپ کو لے جائیں گے اور اٹھارہ روز بعد یہیں واپس پہنچا جائیں گے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے رضامندی ظاہر کی اور اپنے دوستوں سے ذکر کیا کہ وُہ کوہ قاف جانا چاہتے ہیں تا کہ عفریت دیو کو ہلاک کر کے آسمان پری کا تخت و

تاج واپس دلائیں۔

امیر حمزہ کے دوست غمگین ہوئے کیونکہ اُنہیں ایک پَل کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ عُمرو عیّار نے روتے ہوئے پروں سے کہا۔ ”اچھا، تُم امیر کو اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن اٹھارہ روز بعد یہاں ضرور پہنچا دینا۔ ورنہ یاد رکھو عفریت نے وُہ سلوک تمہارے ساتھ نہ کیا ہو گا جو میں کروں گا۔“

امیر حمزہ نے دوستوں سے رخصت ہوتے وقت کہا ”میں عُمرو اور شہزادی مِہر نگار کو اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ اِن کی تعظیم اِسی طرح کی جائے، جس طرح میری کی جاتی ہے۔“

یکایک ایک خوش نُما اُڑن کھٹولا نمودار ہُوا جسے چھ پریاں اُٹھائے ہوئے تھیں۔ امیر حمزہ اس اُڑن کھٹولے پر سوار ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ یہ کھٹولا آسمان کی طرف اُڑا۔ امیر حمزہ کے دوستوں اور خیر خواہوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور سب دعائیں مانگتے تھے کہ وُہ خیریت سے اپنے شہر واپس آئیں لیکن اُسی روز بزرُجمہر کا ایک خط عُمرو عیّار کے نام آیا۔ اُس میں لکھا تھا۔

”عزیز بیٹے عُمرو کے نام۔ تُم پر سلامتی ہو۔ تمھیں اور تمھارے تمام دوستوں کو معلوم ہو کہ امیر حمزہ کوہ قاف میں اٹھارہ دن کے بجائے اٹھارہ سال تک رہیں گے کیوں یہی اُن کی قسمت میں لکھا ہے۔ وُہ کوہ قاف کی بلاؤں اور دیوؤں کو فنا کر کے شہر تنجہ میں تُم سے آن کر ملیں گے۔ پس تُم یہاں سے کوچ کر کے شہر تنجہ جاؤ۔ خدا وہیں حمزہ کو تُم سے ملائے گا۔“

بزُرجمہر کا یہ خط پڑھ کہ سب رونے لگے۔ عُمرو نے اُن کو تسلّی دی اور کہا کہ اب رونے سے کیا فائدہ۔ بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیا جائے۔ کوشش کرو کہ ہمارے دشمن اِس خبر کو نہ سُنیں۔ یہ کہہ کر عُمرو نے سفر کی تیّاریاں شروع کیں۔ شہزادی مِہر نگار کو سیاہ قیطاس پر سوار کرایا اور چالیس ہزار غلام اور بہت سی لونڈیاں باندیاں ساتھ کیں۔

مُقبِل وفادار کو چار ہزار سپاہی دے کر مکّے کی حفاظت کے لیے چھوڑا اور خود مغرب کی جانب روانہ ہوئے۔ عُمرو نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ دریافت کرو یہاں سے نزدیک کوئی شہر ہے یا نہیں۔ ملازم گئے اور خبر لائے کہ تین

کوس دُور شہر نیستان آباد ہے۔ تب عُمرو عیّار نے بختک وزیر کی شکل بنائی اور اپنے ساتھ چند سوار لے کر شہر نیستان کے قلعے کے دروازے پر گیا۔ دربانوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کِس لیے آئے ہیں؟ تو عُمرو نے رُعب دار لہجے میں کہا۔

"یہاں کے قلعہ دار کو خبر کرو کہ شہنشاہ نوشیر واں کا وزیر بختک آیا ہے اور شہزادی مِہر نگار کو عربوں سے چھین لایا ہے۔ اب عرب پیچھا کر رہے ہیں۔ جلدی سے دروازہ کھولو تاکہ مِہر نگار کو قلعے میں پہنچا دیں۔"

دربانوں نے فوراً یہ پیغام قلعہ دار کو پہنچایا۔ وُہ اُسی وقت دوڑتا ہُوا دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ بختک وزیر موجود ہے۔ جھُک کر سات سلام کیے اور ہاتھ باندھ کر کہا۔ "آپ اندر تشریف لائیے۔ میں آپ کا اور نوشیر واں دونوں کا غلام ہوں۔"

چالیس ہزار جوانوں کا لشکر آناً فاناً قلعے میں داخل ہُوا اور قلعے میں رہنے والے تمام دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ پھر قلعے کے دروازے بند کیے اور

فصیل پر اپنے سپاہی بٹھا دیئے۔ اتنے میں دُشمن کی فوج بھی پیچھا کرتی ہوئی آن پہنچی۔ لیکن عُمرو عیّار اور اُس کے ساتھیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

عُمرو کو یہیں چھوڑ کر اب ہم آپ کو کوہ قاف لیے چلتے ہیں اور دِکھاتے ہیں کہ امیر حمزہ پر اس جادو کے ملک میں کیا بیتی۔

پریوں نے پلک جھپکتے میں اُڑن کھٹولا شہر ستان زرّیں میں پہنچایا۔ امیر حمزہ نے دیکھا کہ عالی شان شہر ہے۔ عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ ہر چیز ایسی صاف شفاف ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ جا بجا خوب صورت باغیچے اور نہریں رواں ہیں جن میں فوّارے چل رہے ہیں اور ہر فوّارے کا پانی رنگی ہے۔ کوئی سُرخ، کوئی سبز اور کوئی زرد لیکن اس تمام حُسن اور خوب صورتی کے باوجود شہر ویران ہے۔ دُکانیں خالی پڑی ہیں اور بازار بھائیں بھائیں کر رہے ہیں۔

امیر حمزہ نے وزیر سلاسل سے پوچھا ”شہر کے لوگ کہاں گئے؟“

یہ سُن کر وزیر سلاسل رونے لگا اور جواب دیا۔

”اے امیر، اُن سب کو عفریت دیو نے یا تو مار ڈالا یا گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اب ہم آپ کو نیچے اُتار کر رخصت ہوتے ہیں۔“

ایک پُر فضا باغ میں پریوں نے اُڑن کھٹولا اُتارا اور امیر حمزہ کو وہاں حیران پریشان چھوڑ کر غائب ہو گئیں۔ تب امیر نے خُدا کو یاد کیا اور ایک چشمے پر جا کر خوب پانی پیا اور آرام کرنے کے لیے لیٹ رہے، یکایک ایک خوفناک شکل کا دیو آیا اور اُن کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر اُنہوں نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وُہ زخمی ہو کر گر پڑا اور گھاس پر لوٹنے لگا۔ پھر دردناک آواز میں چلّایا۔

”اے آدم زاد، ایک وار اور کر کہ میری جان جلد نکلے۔“

تب حمزہ نے دُوسرا وار کیا کہ مرنے کی بجائے وُہ دیو بالکل ٹھیک ہو کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور قہقہہ مار کر ہنسا۔ حمزہ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہوئے اور دِل میں کہا یاالٰہی یہ کیا تماشا ہے؟ میں نے پہلا وار کیا تو یہ دیو زخمی ہُوا اور اُس نے دوسرے وار کی التجا کی اور جب میں نے دوسرا وار کیا تو یہ ہلاک ہونے کے بجائے تازہ دَم ہو گیا۔ دیو اُن کی طرف جھپٹا اور اب دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ

دوپہر ہو گئی۔ آخر دیو نے کہا۔

"اے آدم زاد، آفرین ہے تجھ پر۔ قسم ہے حضرت سلیمان کی کہ میں نے تجھ جیسا بہادر آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اب دوپہر سر پر ہے۔ مجھے آرام کرنے کی مہلت دے۔ اس کے بعد پھر میرا اور تیرا مقابلہ ہو گا۔"

امیر حمزہ نے دیو کی یہ درخواست قبول کی اور کہا۔

"جا تجھے مہلت دی مگر تجھے قسم ہے حضرت سلیمان کی کہ مجھ پر بے خبری میں وار نہ کیجیو۔"

عفریت دیو اور امیر حمزہ کی تین روز تک خوف ناک جنگ۔ امیر حمزہ کوہ قاف جاتے ہیں۔ پریوں اور دیوؤں کی حیرت انگیز دنیا۔ قدم قدم پر مصیبتیں اور عجیب واقعات۔ امیر اٹھارہ سال تک کوہ قاف میں رہنے کے بعد دوبارہ اپنے ملک واپس آتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز اور دلچسپ واقعات داستان امیر حمزہ کی پانچویں کتاب "امیر حمزہ کوہ قاف میں" پڑھیے۔